إِنَّا بِفِرَاقِكَ يا إبرَاهِيمَ لَمَحزُونُونَ

# جامعہ کے دو ہم نام استاذ

## حضرت اقدس مولانا ابراہیم صاحب کاویؒ

## اور

## حضرت اقدس مولانا ابراہیم صاحب اٹالویؒ

کاوش

زکریا بن اقبال حفیظ بھوپالی

**ناشر**

شعبۂ تقریر و تحریر

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل، گجرات

# تفصیلات

اسم کتاب:.........................جامعہ کے دو ہم نام استاذ

کاوش:.........................زکریا بن اقبال حفیظ بھوپالی

سن اشاعت:.........ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ مطابق مارچ ۲۰۱۶ء

صفحات:.................................۸۵

ناشر:........شعبۂ تقریر و تحریر، جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

# فہرستِ مضامین


| نمبر شمار | عناوین | صفحہ |
|---|---|---|
| ۞ | آغازِ سخن | ۷ |
| ۞ | مقدمہ | ۱۱ |
| | حضرت الاستاذ مولانا ابراہیم صاحب کاوی نور اللہ مرقدہ | |
| ۱ | ولادت | ۱۵ |
| ۲ | تعلیم وتربیت | ۱۶ |
| ۳ | اساتذۂ کرام | ۲۳ |
| ۴ | تدریسی زندگی کا آغاز | ۲۴ |
| ۵ | تزکیۂ باطن | ۲۵ |
| ۶ | رشتۂ اِزدواج | ۲۶ |
| ۷ | اولاد | ۲۶ |
| | اوصاف وکمالات | |
| ۸ | حلیہ | ۲۷ |
| ۹ | حافظہ | ۲۷ |
| ۱۰ | زبان کی حفاظت | ۲۸ |
| ۱۱ | معاملہ فہمی | ۲۹ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۲ | اتباعِ سنت | ۲۹ |
| ۱۳ | سادگی اور انکساری | ۳۰ |
| ۱۴ | کیفیتِ تدریس | ۳۰ |
| ۱۵ | اندازِ افہام وتفہیم | ۳۱ |
| ۱۶ | تدریس کی ایک خاص ادا | ۳۲ |
| ۱۷ | خدمتِ خلق | ۳۳ |
| ۱۸ | ایک ناقابلِ فراموش خدمت: نظامتِ خانقاہِ محمودیہ | ۳۴ |
| ۱۹ | سبق کی پابندی | ۳۵ |
| ۲۰ | طلبہ سے شفقت ومحبت | ۳۸ |
| ۲۱ | علمی اعتبار سے اپنے شاگردوں کی فکر | ۴۰ |
| ۲۲ | طلبہ کی تربیت | ۴۱ |
| ۲۳ | دل لگی وخوش طبعی | ۴۶ |
| ۲۴ | دیگر اوصاف وخصائلِ حمیدہ | ۵۰ |
| ۲۵ | وفات | ۵۱ |
| ۲۶ | ہائے افسوس!!! | ۵۲ |
| ۲۷ | غسل وصلاۃِ جنازہ | ۵۳ |
| ۲۸ | تدفین | ۵۳ |
| ۲۹ | نالۂ غمناک (منظوم) | ۵۵ |

## حضرت الاستاذ مولانا ابراہیم صاحب اٹالوی-نور اللہ مرقدہ-


| | | |
|---|---|---|
| ۳۰ | ولادت | ۵۷ |
| ۳۱ | تعلیم وتربیت | ۵۷ |
| ۳۲ | اساتذۂ کرام | ۶۱ |
| ۳۳ | زمانۂ طالبِ علمی کی جھلکیاں | ۶۲ |
| ۳۴ | تدریسی زندگی کا آغاز | ۶۳ |
| ۳۵ | جامعہ ڈابھیل میں تشریف آوری بحیثیت مدرس | ۶۴ |
| ۳۶ | تزکیۂ باطن | ۶۴ |
| ۳۷ | شادی خانہ آبادی | ۶۵ |
| ۳۸ | اولاد | ۶۶ |
| | اوصاف وکمالات | |
| ۳۹ | حلیہ | ۶۷ |
| ۴۰ | حافظہ | ۶۷ |
| ۴۱ | کیفیتِ تدریس | ۶۸ |
| ۴۲ | اندازِ افہام وتفہیم | ۷۰ |
| ۴۳ | سادگی اور طلبہ سے محبت | ۷۰ |
| ۴۴ | سخاوت ومہمان نوازی | ۷۴ |
| ۴۵ | عدمِ حبِّ جاہ | ۷۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۶ | صفِ اولیٰ کی پابندی | ۷۶ |
| ۴۷ | معاملہ فہمی | ۷۶ |
| ۴۸ | خوش روئی | ۷۷ |
| ۴۹ | دیگر خصائلِ حمیدہ اور اوصافِ جمیلہ | ۷۸ |
| ۵۰ | وفات | ۷۹ |
| ۵۱ | سعدئ جامعہ کی یاد میں (منظوم کلام) | ۸۳ |

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# آغازِ سخن

کسی نے بالکل سچ کہا ہے کہ: نعمت کی قدر و منزلت اس کے چھن جانے کے بعد سمجھ میں آتی ہے، بالکل اِسی طرح شخصیات کی قدر و قیمت اُن کا سایۂ عاطفت اُٹھ جانے کے بعد محسوس ہوتی ہے، خصوصاً جب کہ وہ شخصیت تعلیم وتربیت اور درس وتدریس کے شعبے سے وابستہ ہو، تو اُس کی رحلت سے پُر نہ ہو سکنے والا خلا پیدا ہو جاتا ہے۔

حضرت مولانا اِبراہیم صاحب کاوی اور حضرت مولانا ابراہیم صاحب اٹالوی -نور اللہ مراقدھما- کا سانحۂ وفات جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، سملک کے لیے کسی زلزلے سے کم نہیں، بنیادی اور اہم درجات پڑھانے والے دو تجربہ کار اساتذہ کا یکے بعد دیگرے اُٹھ جانا اِداروں کے لیے نا قابلِ تلافی نقصان شمار ہوتا ہے، ایسی مردم ساز شخصیتیں شاگردوں کے لیے نعمتِ غیر مترقبہ ہوتی ہیں، ان کی موجودگی میں یہ احساس کم جاگتا ہے۔

جلیل! احباب تیرے بعد برسوں روئیں گے
ابھی تو ہے تو تیری قدر پہچانی نہیں جاتی

لیکن ان کے چلے جانے کے بعد شدت سے محرومی کا اِدراک ہوتا ہے اور کماحقہ استفادہ نہ کر سکنے کا اِحساس ستاتا رہتا ہے۔

آج جب کہ میرے اِن دو مشفق ومحبوب اساتذۂ کرام: حضرت مولانا ابراہیم صاحب کاوی اور حضرت مولانا ابراہیم صاحب اٹالوی -قدس أسرارھما- کی حیات وخدمات پر مشتمل یہ رسالہ طباعت کی دہلیز پر ہے، اُن کا مسکراتا چہرہ سامنے آ کر جگر چیر دیتا ہے، اُن کی بے پایاں شفقتیں، اُن کی بے حساب عنایتیں اور اُن کی لامتناہی بخششیں اَب بھی نظروں کے سامنے گھوم رہی ہیں، اُن کی توجہات اور اُن کا اپنے شاگردوں کے لیے کڑھنا اور تڑپنا آج بھی دل کو مجروح کیے دیتا ہے۔

اب تیری محبت میں زندگی کی ہر ساعت
یاد بن کے آتی ہے، آہ بن کے جاتی ہے

عزیز القدر زکریا بھوپالی سلمہ (متعلم: عربی پنجم جامعہ ہذا) کا پورا رسالہ شوق کے ہاتھوں لے کر ذوق کی آنکھوں سے پڑھا، پڑھ کر عجیب کیفیت طاری ہوگئی، وہ زمانہ یاد آ گیا، اُن کی رفتار وگفتار، اُن کی مسکراہٹ وخفگی، اُن کی تواضع وعاجزی، اُن کی عقل ودانائی اور ان کی نوازش وذرہ نوازی؛ سب کچھ ذہن کی اِسکرین پر چمکنے لگا، بے اختیار ناصر کاظمی کی غزل یاد آ گئی:

| | |
|---|---|
| کبھی کبھی تو جذبِ عشق مات کھا کے رہ گیا | کہ تجھ سے مل کے بھی تیرا خیال آ کے رہ گیا |
| جدائیوں کے مرحلے بھی حُسن سے تہی نہ تھے | کبھی کبھی تو شوق آئینے دِکھا کے رہ گیا |
| یہ کیا مقامِ شوق ہے کہ آس ہے نہ یاس ہے | یہ کیا ہوا کہ لب پہ تیرا نام آ کے رہ گیا |

| | |
|---|---|
| چراغِ شامِ آرزو بھی جھلملا کے رہ گئے | تیرا خیال راستے سُجھا سُجھا کے رہ گیا |
| چمک چمک کے رہ گئیں نجوم وگُل کی منزلیں | میں درد کی کہانیاں سُنا سُنا کے رہ گیا |
| تیرے وِصال کی امید اشک بن کے بہہ گئی | خوشی کا چاند شام ہی سے جھلملا کے رہ گیا |
| وہی اُداس روز وشب، وہی فسوں، وہی ہَوا | تیرے وصال کا زمانہ یاد آ کے رہ گیا |

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کروٹ کروٹ مغفرت فرمائیں، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائیں، حَسَنات کو شرفِ قبولیت سے نوازیں، اُن کے فیض یافتگان کو اُن کے حق میں صدقۂ جاریہ بنائیں، پس ماندگان کو صبرِ جمیل واجرِ جزیل عنایت فرمائیں اور مادرِ علمی جامعہ ڈابھیل کو اُن کا نعم البدل عطا فرمائیں، آمین۔

شاگردوں، خوشہ چینوں اور محبت وتعلق رکھنے والوں سے عاجزانہ اِلتماس ہے کہ:

بچھڑنے والے تو ہم سے بچھڑ گئے تابشؔ
لبوں پہ اُن کے لیے ہوں سدا، دعا کے چراغ

اِس رسالے کی ترتیب واِشاعت کے جس جس مرحلے میں جِن جِن احباب کا تعاون شاملِ حال رہا، بندہ اُن تمام کا شکریہ ادا کرتا ہے، خصوصاً ہمارے مشفق مہتمم صاحب حضرت اقدس مولانا احمد بزرگ صاحب سملکی، حضرت اقدس مفتی عبد القیوم صاحب راجکوٹی اور حضرت قاری شبیر صاحب نرولی – مدظلہم – کا کہ مواد کی فراہمی میں اُن کا خصوصی تعاون حاصل رہا۔

راقم الحروف پیارے قارئین سے درخواست کرتا ہے کہ مفید مشوروں اور اہم ہدایتوں کی رہنمائی کے ساتھ ساتھ حوصلہ افزائی بھی ضرور فرمائیں۔ یاد رہے کہ عزیزی زکریا سلمہ کی یہ پہلی ''طالبِ علمانہ کاوش'' ہے، جو زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے جارہی ہے، راقم الحروف اِس موقع پر عزیز موصوف کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہے اور بارگاہِ ایزدی میں دعا گو ہے کہ ربِّ کریم ورحیم اِس کو شرفِ قبولیت سے نوازیں اور آئندہ مزید خدماتِ علمیہ ودینیہ کے لیے موفَّق فرمائیں، آمین۔

دعا گو وجو

یکے از خادمانِ شعبۂ تقریر وتحریر

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

۱۰/ جمادی الاخری ۱۴۳۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# مقدمہ

زندگی کا کوئی مرحلہ یقینی نہیں ہے، بچپن، جوانی، بڑھاپا، تندرستی و بیماری، غربت و امارت، پرشوکت زندگی یا دربدر کی ٹھوکریں، خوبصورتی و بدصورتی؛ ان میں سے کوئی یقینی نہیں؛ لیکن موت کا مرحلہ یقینی اور خدا تعالیٰ کی جانب سے طے شدہ ہے، عجیب بات ہے کہ عدم سے وجود پذیر ہونا ضروری نہیں؛ لیکن بود سے نابود ہونا یقینی اور قطعی۔ موت سے کس کو رستگاری ہے، نہ رسولوں کو نہ انبیا کو، نہ اہلِ علم کو نہ اولیا کو، نہ کج کلاہوں کو نہ فقیرِ بےنوا کو، نہ طاقتور کو اور نہ کمزور کو۔ اور پھر ایسا طے کہ ایک لحظہ اِدھر نہ اُدھر "إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ" پھر بھی انسان اس یقینی منزل سے غافل، اُسے بیوی بچوں کی فکر دامن گیر ہے، وہ اپنے مستقبل کی تعمیر میں مشغول، وہ عہدوں کے لیے تڑپ رہا ہے، وہ منصب کے پیچھے دوڑ رہا ہے، اقتدار اس کی بھوک ہے، عزت طلبی اس کی خواہش ہے، وہ زمین و جائیداد کا شائق ہے، کوٹھیوں اور بنگلوں کا مشتاق، ملبوسات کا ڈھیر اس کا مطلوب، اور پھر حرص و آز، طلب و خواہش، لالچ و طمع؛ اسے کہاں کہاں لے جاتی ہے؛ لیکن موت جیسے یقینی مرحلے سے وہ غافل ہے، نہ عقائد درست اور نہ حسنِ اعمال، حالانکہ قبر کے گڑھے میں یہی دو چیزیں کارآمد ہیں، کس قدر سچ کہا کہنے والے نے:

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ.

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا، پل کی خبر نہیں

بہر حال! بات وہی ہے کہ موت کا آنا یقینی ہے۔ ہر چہار جانب سے یہی آواز، ہر جہت سے یہی صدا، چپ وراست یہی چیخ رہا ہے، ذرہ ذرہ کی یہی پکار ہے۔

کہہ رہے ہیں طائرانِ خوش الحان ☆ ہر صبح كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَان
موت سے کس کو رستگاری ہے ☆ آج وہ، کل ہماری باری ہے

کہاں گئے دوست واحباب؟ کس دنیا کے باسی ہیں شفیق ماں باپ؟ یہ عورت کا سہاگ کس نے لوٹا؟ یہ شوہر کی خانہ ویرانی کس نے کی؟ یہ بچے کیوں یتیم ہوگئے؟ یہ شادوآباد گھرانہ آج کیوں ماتم کدہ بنا ہوا ہے؟

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے، باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

موت ایک ایسی منزل ہے جس سے ہر ایک کو گذرنا ہے، زندگی کے جلتے ہوئے چراغ آخر کار بجھ کر رہتے ہیں، زمانے نے بارہا دیکھا اور دیکھتا رہے گا کہ صبح کی آمد آمد نے زندگی کے کچھ پھول کھلائے اور شام کے سناٹوں میں یہ گلہائے شگفتہ مرجھا کر شاخ سے گر گئے، صبح ہوتی ہے تو آفتاب تابانیوں کے ساتھ پوری کائنات پر تسلط جمالیتا ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ اب نہ ختم ہونے والی جہانبانی ہے؛ لیکن شام ہوتے ہوتے یہ مینارۂ نور تاریکیوں کے پردے میں اسی طرح گم

ہو جاتا ہے کہ اس کے غلبہ واستیلا کے آثار بھی نہیں ملتے۔ تاج وتخت کے مالک، سلطنت وحکومت کے فرماں روا جنھوں نے اپنی عظمتوں کے پھریرے اڑائے، آج آغوشِ گور میں سوئے ہیں اور جن حسینوں کے نازک بدن ریشم وحریر کے مہین لباس کو بھی بارِ جسم سمجھتے، اب منوں مٹی کے نیچے آسودۂ خواب ہیں۔ علم کی رفعتیں پیوندِ خاک ہوگئیں، تقویٰ کے بلند مینار زمیں بوس ہو گئے، کمالات کی بلندیاں عالم کے ہنگاموں سے جدا سناٹوں میں گم ہیں۔ (لالہ وگل، بتغییر یسیر)

پھر جب یہی ہوتا آیا ہے اور یہی ہوتا رہے گا تو استاذ الاساتذہ حضرت مولانا ابراہیم صاحب کاوی وحضرت مولانا ابراہیم صاحب اٹالوی – رحمۃ اللہ علیہما – کے حادثاتِ وفات نہ بزاری روکے جا سکتے تھے اور نہ بزوری ان پر پابندی ممکن تھی۔ چنانچہ ایک بار پھر وہی ہوا جو ہمیشہ ہوتا آیا ہے، دونوں حضرات وقتِ مقررہ پر ہزاروں شاگردوں کو سوگوار چھوڑ کر ربِ حقیقی سے جا ملے۔ جی میں آیا کہ معزز اساتذۂ کرام کی مبارک زندگیوں پر کچھ سطور لکھ کر سعادتِ اخروی سمیٹوں اور تاریک راہوں کے لیے ان کی روشن زندگی سے کچھ کرنیں مستعار لے کر رہنمائی حاصل کروں۔ دونوں حضرات کے حالات وخدمات یکجا کرنے کی طالب علمانہ کوشش کی ہے، دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسے شرف قبولیت سے نوازے اور ذخیرۂ آخرت وذریعۂ نجات بنائے۔ آمین

طالبِ دعا

زکریا بن اِقبال حفیظ بھوپالی

متعلم: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

| |
|---|
| اب تو جاتے ہیں مے کدے سے میر |
| پھر ملیں گے گر خدا لایا |

| |
|---|
| بادشاہوں کو ملی شاہی مجھے عشقِ نبی |
| اپنا اپنا ظرف جس کو جو میسر آ گیا |

| |
|---|
| ہمارے بعد کہاں سے یہ وفا کے ہنگامے |
| کوئی کہاں سے ہمارا جواب لائے گا |

| |
|---|
| تمام عمر رلاتی رہے گی یاد اس کی |
| اس طرح وہ ہمیں کر کے بے قرار گیا |

# حضرت الاستاذ
# مولانا ابراہیم صاحب کاوی نوراللہ مرقدہ

علمائے روزگار کا مخزن، فضلائے دہر کا معدن، نامور شخصیتوں کا مرجع، علوم وفنون کا مرکز، اے خوش نصیب جامعہ ڈابھیل! مبدأِ فیاض نے تجھے کن کن گوہرِ نایاب سے نوازا اور کیسے کیسے آب دار وتاب دار موتیوں سے تیرا دامن لبریز ہے! تیری روِشوں پر مصروفِ خرام صبحِ چمن ہے کہ بادِ نسیم! تو ایسا سدا بہار گلشن ہے کہ تیرے پھولوں کا منہ دُھلانے کے لیے شبنم بلندیوں سے اترتی ہے، یہ زبان تو استعارہ وتشبیہ کی ہے، ورنہ تیرے لیے سب کچھ وہ فخرِ روزگار شخصیتیں ہیں جن کی نظیر اب چشمِ فلک نہ دیکھ سکے گی، انہیں میں ایک تختِ علم وفن کی زینت، اسلاف کی امانت، مردم گر وتاریخ ساز انسان حضرت مولانا ابراہیم صاحب کاویؒ بھی تھے۔

## ولادت

۲۳/ رجب المرجب ۱۳۶۷ھ مطابق یکم جون ۱۹۴۸ء بروز سہ شنبہ ضلع بھروچ کے ایک مشہور گاؤں ''کاوی'' نے اپنے بطن سے اِس قیمتی موتی کو اچھالا، نامِ مبارک: ''ابراہیم'' منتخب ہوا، آپ کے والد ماجد کا نام: ''محمد عمر'' تھا، عالم تو نہ تھے؛ لیکن ایک زاہد فی الدنیا اور راغب اِلی الآخرۃ شخص تھے، دیکھنے میں تو سادہ دیہاتی؛ لیکن باتیں نہایت منور، پوری زندگی اللہ کے احکامات کو پورا کرتے ہوئے

سنت کے مطابق گزاردی اور اپنے آبائی وطن ''کاوی'' ہی میں مدفون ہوئے۔

## تعلیم وتربیت

آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے وطن ''کاوی'' ہی میں ہوئی، پھر کاوی کی اس مقدس سرزمین نے اِس گوہرِ آب دار کو ۲۶/شوال ۱۳۸۱ھ مطابق ۲/اپریل ۱۹۶۲ء میں اُس مرکزِ علم وعمل کی طرف پہنچادیا جس کی تعمیر میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جیسے بزرگوں کا خون پسینہ لگا تھا، اس وقت آپ کی عمر تیرہ سال کی تھی، آپ نے یہاں نہایت ہی محنت وجاں فشانی کے ساتھ علم حاصل کیا اور اِس علمی سفر کی ہر منزل میں ممتاز نمبرات سے کامیابی بھی حاصل کی، دھیرے دھیرے تعلیمی شاہراہوں کو پار کرتے رہے؛ حتی کہ ربِّ کریم نے آپ کو درجۂ عالمیت کے آخری مرحلے تک پہنچادیا۔ چنانچہ ۱۰/شعبان ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۱/اکتوبر ۱۹۷۰ء بروز یک شنبہ اساتذۂ جامعہ کے دستہائے بابرکت سے آپ کے سر پر دستارِ فضیلت باندھی گئی۔ تاریخِ جامعہ (مؤلفہ: مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی دامت برکاتہم) کے ۱۳۹۰ھ کے فضلا میں آپ کا نمایاں نام دیکھا جاسکتا ہے۔ (دیکھیے: تاریخِ جامعہ: ۴۶۷)

زمانۂ طالبِ علمی میں ہمیشہ لغویات سے بچ کر مقصدِ اصلی کے حصول میں لگے رہے اور محنت ومشقت اور یکسوئی کے ساتھ تحصیلِ علم میں مگن رہے، اسی یکسوئی، محنت اور دل لگا کر پڑھنے کا ثمرہ تھا کہ ہمیشہ ممتاز واعلیٰ نمبرات سے

کامیاب ہوتے رہے، امتحانات میں جو کامیابی حاصل ہوئی اور کتابوں میں جو نمبرات ملے اسی سے آپ کی منفرد صلاحیت اور نمایاں محنت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ذیل میں مشفق ومہربان حضرت اقدس مولانا احمد صاحب بزرگ سملکی مدظلہ العالی (مہتمم جامعہ ہذا) کے شکریے کے ساتھ آپ کے فارسی دوم سے لے کر دورۂ حدیث تک کے نمبرات لکھے جا رہے ہیں:

## فارسی دوم (دوم نمبر)

| اسمائے کتب | ششماہی | سالانہ |
| --- | --- | --- |
| گلستاں | --- | ۴۹ |
| بوستاں | --- | ۴۹ |
| مالابدمنہ | --- | ۴۸ |
| مفتاح القواعد | --- | ۴۹ |
| تحریر واملا | --- | ۴۴ |
| مشقِ قراءت | --- | ۴۰ |
| فیض العزیز | --- | ۴۰ |
| ہدیۃ الوحید | --- | ۳۸ |

## عربی اول (اول نمبر)

| اسمائے کتب | ششماہی | سالانہ |
|---|---|---|
| شرح مأۃ عامل | ۴۷ | ۵۰ |
| نحو میر | --- | ۵۰ |
| عربی صفوۃ المصادر | ۵۰ | ۵۰ |
| روضۃ الادب | --- | ۵۰ |
| میزان الصرف | --- | ۵۰ |
| پنج گنج | --- | ۵۰ |
| صرف میر | ۵۰ | ۵۰ |
| تحریر واملا | ۴۲ | ۵۰ |
| مشقِ قراءت | ۴۴ | ۴۶ |
| فیض العزیز | ۴۸ | ۴۴ |
| ہدیۃ الوحید | --- | ۴۳ |

## عربی دوم (دوم نمبر)

| اسمائے کتب | ششماہی | سالانہ |
|---|---|---|
| منیۃ المصلی | ۵۰ | ۵۰ |

| | | |
|---|---|---|
| مـــراح الارواح | ۴۶ | ۵۰ |
| تیسیرالمنطق | --- | ۵۰ |
| شرح مأۃ عامل | ۴۵ | ۵۰ |
| القــراءۃ الراشـدۃ | ۵۰ | ۵۰ |
| ہدایۃ النحو | ۴۵ | ۵۰ |
| نورالایضاح | --- | ۴۹ |
| تحریروااملا | ۴۰ | ۴۸ |
| فوائدمکیہ | ۵۰ | ۴۸ |
| مشقِ قراءت | ۴۴ | ۴۵ |
| حدرایک منزل | --- | ۴۳ |
| المقدمۃ الجزریۃ | --- | ۴۷ |

## عــربی سوم (سوم نمبــر)

| اسمائے کتب | ششماہی | سالانہ |
|---|---|---|
| قدوری | ۴۲ | ۵۰ |
| النحوالواضح | ۴۵ | ۵۰ |
| اصول الشاشی | ۵۰ | ۵۰ |

| | | |
|---|---|---|
| شرح التہذیب | ۴۴ | ۴۹ |
| مرقات | ۴۹ | ۴۹ |
| دروس التاریخ | --- | ۴۷ |
| نفحۃ العرب | ۴۵ | ۴۵ |
| منشورات | ۴۵ | // |
| املا وتحریر | ۴۸ | ۵۰ |
| خلاصۃ البیان وجامع الوقف | --- | ۴۶ |

## عربی چہارم (سوم نمبر)

| اسمائے کتب | ششماہی | سالانہ |
|---|---|---|
| ترجمۂ قرآن مجید | ۴۸ | ۴۸ |
| شرح الوقایۃ | ۴۹ | ۴۹ |
| نورالانوار | ۴۸ | ۴۹ |
| معین الحکمۃ | --- | ۴۵ |
| المقامات الحریریۃ | --- | ۴۹ |
| مختارات | ۵۰ | // |
| القطبی | --- | --- |

| | | |
|---|---|---|
| عقیدۃ الطحاوی | --- | --- |
| ریاض الصالحین (اول) | --- | --- |
| ہدیہ سعیدیہ | ۴۹ | ۴۶ |
| سفینۃ البلغاء | ۵۰ | ۴۹ |
| البلاغۃ الواضحۃ | --- | // |

## عربی پنجم (سوم نمبر)

| اسمائے کتب | ششماہی | سالانہ |
|---|---|---|
| ہدایۃ (اول) | ۴۸ | ۴۸ |
| ہدایۃ (ثانی) | // | // |
| ترجمۂ قرآن مجید | ۴۴ | ۴۸ |
| مختصر المعانی | ۴۵ | ۴۲ |
| شرح العقائد النسفیۃ | ۴۶ | ۴۳ |
| السراجی فی المیراث | --- | ۴۹ |
| منتخب الحسامی | ۴۸ | ۴۵ |
| ریاض الصالحین (ثانی) | --- | --- |
| آثار السنن | --- | --- |
| دیوانِ متنبی | ۴۴ | ۴۱ |

## عربی ششم (دوم نمبر)

| اسمائے کتب | ششماہی | سالانہ |
|---|---|---|
| تفسیر جلالین (اول) | ۴۷ | ۴۷ |
| تفسیر جلالین (ثانی) | // | // |
| الفوز الکبیر | ۴۸ | ۵۰ |
| مشکوٰۃ المصابیح (اول) | ۴۵ | ۴۸ |
| مشکوٰۃ المصابیح (ثانی) | // | // |
| شرح نخبۃ الفکر | ۴۵ | ۴۹ |
| الہدایۃ (ثالث) | ۵۰ | ۴۱ |
| الہدایۃ (رابع) | // | // |

## عربی ہفتم (چہارم نمبر)

| اسمائے کتب | ششماہی | سالانہ |
|---|---|---|
| صحيح البخاري (الأول) | ۴۰ | ۴۸ |
| صحيح البخاري (الثاني) | // | // |
| صحيح مسلم | ۴۲ | ۴۵ |
| سنن الترمذي | ۳۹ | ۴۳ |

| | | |
|---|---|---|
| سنن أبي داؤد | ۴۶ | ۴۳ |
| شرح معاني الاٰثار | ۴۹ | ۴۵ |
| سنن النسائي | ۴۸ | ۴۵ |
| سنن ابن ماجه | ۴۰ | ۵۰ |
| شمائل الترمذي | ۴۰ | ۴۶ |
| الموطين لمالك و محمد | ۴۹ | ۴۲ |

## اساتذۂ کرام

شخصیت کی تعمیر میں اساتذہ کا کردار مرکزی حیثیت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کی بے پایاں عنایتوں سے آپ کو علم وعمل کے چمکتے دمکتے ستاروں سے فیض یابی کا موقع میسر آیا، آپ کی تعمیر اولوالعزم وگراں قدر اساتذہ کی رہینِ مِنت ہے، یوں تو آپ کے تمام اساتذہ اپنی جگہ ایک عظیم شخصیت و بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے اور سب ہی سے آپ نے خوب خوب اکتسابِ فیض کیا۔ ذیل میں آپ کے چند مشہور اساتذۂ کرام کے اسمائے گرامی لکھے جاتے ہیں، جس سے ہمیں بخوبی اندازہ ہوجائے گا کہ اِس علمی پودے کا گلِ سرسبد کن آفتاب و ماہتاب کی روشنیوں میں کھلا ہے، آپ کن سدابہار پھولوں سے متأثر ہوکر اُن کے رنگ میں رنگ گئے تھے:

① حضرت مولانا ایوب صاحب اعظمی نوراللہ مرقدہ۔

② حضرت مولانا ابوالفضل محمد آدم صاحب طالع پوری قدس سرہ۔

③ حضرت مولانا حمد اللہ صاحب لکھنوی قدس سرہ۔

④ حضرت مولانا غلام حسین صاحب نرولوی قدس سرہ۔

⑤ حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھولیوی قدس سرہ۔

⑥ حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری ادام اللہ فیوضہم علینا۔

⑦ حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی مدظلہم العالی۔

⑧ حضرت مولانا ابراہیم صاحب پٹنی مدظلہم العالی۔

## تدریسی زندگی کا آغاز

فراغت کے بعد جامعہ کے مردم شناس مہتمم حضرت مولانا محمد سعید صاحب بزرگ ۔نور اللہ مرقدہ۔ نے مسندِ تدریس کو زینت بخشنے کے لیے آپ کو منتخب فرمالیا، پہلے پہل تو ''اردو دینیات'' کا درجہ سپرد کیا گیا، پھر رفتہ رفتہ ترقی کے درجات چڑھتے گئے اور ''عربی دوم'' میں پہنچنے کے بعد باوجود صلاحیت کے زندگی کے آخری لمحے تک درجۂ ''عربی دوم'' کو لازم پکڑا۔

درجۂ ''اردو دینیات'' میں ادیبانہ کردار ادا کیا، درجاتِ فارسی میں شیخ سعدیؒ وفرید الدین عطارؒ کے پند ونصائح سے طلبہ کو سرفراز کرتے رہے اور مے خانۂ معرفت کے جام پلا پلا کر طلبہ کو مدہوش کرتے گئے، درجاتِ عربی میں فنِّ نحو وصرف اور فنِّ فقہ ومنطق میں وہ جوہر دکھلائے کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے، بالخصوص نحو وصرف اور منطق تو آپ کا اوڑھنا بچھونا بن گیا تھا۔

اس کی فصاحت معدنِ شعری، اس کی بلاغت مصدرِ معنی
اس کی نفاست گلشن گلشن، اس کی لطافت محفل محفل

## تزکیۂ باطن

تدریس کے ساتھ ساتھ تصوف وسلوک اور تزکیۂ باطن سے بھی راہ ورسم رکھنا نہایت مفید ہے۔ چنانچہ آپ نے سب سے پہلے اپنی زمام شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی ـ نور اللہ مرقدہ ـ کے سپرد کی، جو کہ اُس زمانے میں مطلعِ سلوک پر ممتاز آفتاب وماہتاب میں سے شمار کیے جاتے تھے، حضرت شیخ کے رحلت فرما جانے کے بعد آپ نے حضرت شیخ کے جانشین: حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ سے رجوع فرمایا۔ ہر سال سہارنپور ودیوبند تشریف لے جاتے، رمضان المبارک کا مہینہ حضرت شیخ وفقیہ الامت ـ نور اللہ مراقدہما ـ کی خدمت میں گزارتے۔ جب مفتی صاحب بھی اِس دارِ فانی سے کوچ فرما گئے تو آپؒ نے شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری ـ ادام اللہ فیوضہم علینا ـ سے رجوع کیا، متعدد بزرگوں سے استفادے کے بعد آپ کا باطن اس قدر مزکیّٰ ومصفّٰی ہو چکا تھا کہ حضرتِ والا ـ دامت برکاتہم ـ نے آپ کو خلعتِ خلافت سے نوازا۔ چنانچہ آپ کو حضرت والا ـ دامت برکاتہم ـ کے سب سے پہلے خلیفہ وجانشین ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

ع یہ نصیب! اللہ اکبر! لوٹنے کی جائے ہے

## رشتۂ اِزدواج

ڈابھیل سے دورۂ حدیث کی تکمیل پر حضرتؒ کا آپ کے وطن ''کاوی'' ہی کے جناب احمد بھائی (جو آپ کے چچا بھی تھے) کی دخترِ نیک اختر سے عقدِ نکاح ہوا۔ آپ کی اہلیہ محترمہ بہت ہی نیک خاتون تھیں، نہایت خدمت گزار تھیں، آپ کے کھانے پینے کا اور دیگر ضروریات کا بہت خیال رکھتی تھیں؛ لیکن تقدیر کا لکھا ہو کر ہی رہتا ہے۔ چنانچہ وہ آپ کی زندگی ہی میں رحلت فرما گئیں اور یوں آپ کو ایک وفا شعار، خدمت گزار، باسلیقہ، نیک صالح بیوی کی مفارقت کا زخم سہنا پڑا۔ پھر آپؒ نے ضلع بھروچ کے ''دیولا'' نامی گاؤں میں دوسرا نکاح کیا، آپ کے دوسرے خسر کا نام بھی احمد (جناب احمد بھائی اسیل) تھا، ان کی صاحب زادی سے آپ کا عقد ہوا، انہوں نے اپنی پوری زندگی آپ کی خدمت میں گزار دی، بہت ہی نیک صالح اور ہمدرد خاتون ہیں، طلبۂ جامعہ جو مولانا سے تعلق رکھتے یا اُن کے ہم وطن ہوتے، اُن کے لیے روزانہ فکر سے کھانا بھیجتیں اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ اُن کی اپنی سگی اولاد کی طرح عزیز رکھتی ہیں، جو مدرسہ کے طلبۂ عزیز کو اپنی اولاد سے بڑھ کر رکھتی ہو تو اُس کی اپنی نسبی اولاد پر شفقت ومہربانی کا کیا پوچھنا!

## اولاد

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین صاحب زادے اور تین صاحب زادیوں سے نوازا، جن میں سے دو لڑکے: ''حامد'' اور ''عابد'' اور دو لڑکیاں: ''ساجدہ'' اور

''عابدہ'' آپ کی پہلی اہلیہ سے ہیں اور ایک بیٹا: ''راشد'' اور ایک بیٹی: ''راشدہ'' دوسری اہلیہ سے ہیں۔ حامد مولانا کی حیات ہی سے علیل رہے ہیں، مولانا کی اہلیہ نے ان کا بھی خوب خیال رکھا اور اب بھی رکھتی ہیں اور اپنی سگی اولاد سے بڑھ کر چاہا اور اب بھی چاہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائیں اور مولوی حامد کو جلد از جلد صحتِ دائمہ، عاجلہ، مستمرہ عطا فرمائیں۔

# اوصاف وکمالات

## حلیہ

درمیانہ قد، فراخ جبیں، گنجان بھنویں اور بڑی بڑی آنکھیں، اُن پر موٹا سا عینک، آنکھ کے نچلے حصے میں معمولی حلقے، داڑھی گھنی، سینہ کشادہ اور شکم وسینہ ہموار، رنگ صاف، انگلیاں سیدھی، لانبی اور پُرگوشت، آواز بلند وباوقار، سفید لباس، کشتی نما دو پلی ٹوپی، ہاتھ میں عصا؛ اس سراپا کو تصور میں لائیے، جو تصویر بنے وہ مولانا کی ذات تھی۔

## حافظہ

مبدإِ فیاض کی طرف سے آپ کو حیرت انگیز حافظے کی دولت عنایت ہوئی تھی، کئی سال پہلے پڑھی ہوئی باتیں آپ کو بہت اچھی طرح یاد رہتی تھیں، اس سلسلے میں جامعہ کے مایۂ ناز استاذ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی -مدظلہ العالی- تحریر فرماتے ہیں:

''اُن کی قوتِ یادداشت اور حافظہ بہت قوی تھا، سالہا سال کے پیش آمدہ واقعات بلاکم وکاست نقل فرماتے، تاریخِ جامعہ کا وہ خزینہ تھے، اپنے اساتذہ کے ملفوظات کے حافظ تھے، مولانا آدم صاحبؒ کے بعض قیمتی درسی افادات کاپی کی شکل میں اُن کے پاس محفوظ تھے، ایک زمانے تک اُس کو سینے سے لگائے رکھا، پھر کوئی طالبِ علم استفادے کے لیے لے گیا تو لے ہی گیا اور واپس نہیں کیا، اِس پر اُن کو زندگی بھر افسوس رہا، گویا زبانِ حال سے کہتے:

آنچہ از من گم شدہ از سلیماں گم شدے
ہم سلیماں، ہم پری، ہم اہرمن بگریستے

''جو کچھ مجھ سے گم ہوا اگر وہ سلیمانؑ سے گم ہوتا تو سلیمانؑ بھی، پری بھی اور دیو بھی؛ سب رو پڑتے''۔

## زبان کی حفاظت

راقم الحروف نے مولانا کا ایک وصف ایسا دیکھا جو بہت کم لوگوں میں پایا جاتا ہے اور وہ ہے زبان کی حفاظت، بندہ مولانا سے بہت قریب تھا، درس کے علاوہ دولت کدہ پر بھی حاضری دیتا رہتا اور اُن کی شفقت کی وجہ سے کسی قدر شوخ اور بے تکلف بھی تھا، ہر طرح کی باتیں ہوتیں، اُس میں سنجیدہ اور مہذب قسم کے لطائف وظرائف بھی آجاتے؛ لیکن اگر میں قسم کھاؤں کہ ڈھائی تین سال کی صحبت کے باوجود کبھی میں نے اُن کی زبان سے کسی کی غیبت نہیں سنی، تو حانث نہیں

ہوں گا، نہ کسی استاذ کی، نہ طالبِ علم کی، نہ عملہ کی، نہ عام مسلمانوں کی۔

## معاملہ فہمی

آپ نہایت ذکی الطبع اور بے انتہا ذہین وفطین واقع ہوئے تھے، ادنی سے اشارے سے آپ پوری بات سمجھ لیتے، کوئی خبر سنتے تو بہت جلد اس کی تہہ اور گہرائی میں پہنچ جاتے، کسی خبر کے ظاہر سے اس کے باطن کو معلوم کر لینا آپ کے لیے آسان تھا، آپ کے حواس نہایت نازک وحساس تھے، ہوش وحواس اور عقل وخرد نے آخری عمر؛ بلکہ آخری روز تک وفاداری کی، نہ آپ کو ثقلِ سماعت کی شکایت ہوئی اور نہ ہی آپ کے حافظہ نے خطا کی۔

## اتباعِ سنت

آپ کی عملی اور اخلاقی زندگی میں ایک اہم بات سنت کی اتباع ہے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، چلتے پھرتے، گفتگو اور بات چیت میں؛ ہر موقع پر آپ کے عمل سے سنتِ نبوی کو سمجھا اور جانا جا سکتا تھا۔ اس سلسلے میں جامعہ کے استاذ اور حضرت الاستاذ کے خاص شاگرد مفتی معاذ صاحب مدظلہ رقم طراز ہیں:

”یہ اُس زمانے کی بات ہے جب بندہ دارالافتاء میں زیرِ تعلیم تھا اور جامعہ کی دیرینہ روایت کے مطابق عصر کے بعد دس منٹ کی تعلیم، طلبۂ تخصص فی الفقہ والافتاء کے سپرد تھی۔

یاد پڑتا ہے کہ منگل کا دن تھا اور حضرتِ والا دامت برکاتہم (حضرت مفتی

احمد صاحب خانپوری ادام اللہ فیوضہم علینا ) کی مجلس تھی، میں نے تعلیم ختم کی، تو استاذِ مکرّم نے بلوایا، پاس بٹھایا، خیر خیریت پوچھی، پھر آہستہ سے یوں فرمایا: ’’جب تعلیم ختم ہو تو زور سے مجلس کے اختتام کی دعا: ’’سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِہ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ نَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، نَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوْبُ إِلَيْكَ ‘‘ پڑھا کرو، تم سے سن کر جتنے لوگ پڑھیں گے، اُن سب کا ثواب تم کو ملے گا اور دوسرے افتا کے ساتھیوں کو بھی کہہ دینا‘‘۔ یہ تھی سنتوں سے محبت اور یہ تھا اپنے شاگردوں کی تربیت کا انوکھا انداز!!‘‘

## سادگی اور انکساری

مولانا کے مزاج میں حد درجہ سادگی اور انکساری تھی اور حدیث میں جو بات فرمائی گئی ہے ’’أَهْلُ الْجَنَّةِ الْبُلْهُ‘‘ [أخرجه الطحاوي في مشكل الآثار] ( کہ سادہ لوح لوگ جنتی ہوں گے ) کے آپ واقعی مصداق تھے۔

## کیفیتِ تدریس

آپ جب محوِ درس ہوتے تو علم ومعرفت کی ندیاں بہا دیتے، آپ کے درس میں نہ مدوزجر ہوتا، نہ الفاظ کی ایچ پیچ، نہ لفّاظی نہ تعبیر آرائی، آپ کی تقریر حشو وزوائد سے پاک، علوم ومعرفت سے لبریز ہوتی، عبارت کی پیچیدگیاں اور مضامین کی الجھی ہوئی گھاٹیاں افہام وتفہیم کے حوالے سے آپ کے چہرے پر بَل پڑنے کا ذریعہ نہیں بن سکتی تھیں۔

آپ کا ایک خاص طریقہ یہ تھا کہ ہر سبق کی عبارت تین طلبہ سے پڑھواتے، پھر خود اُسی عبارت کو پڑھ کر ترجمہ فرماتے، پھر جب تشریح مکمل ہوجاتی، تو ترجمہ کرواتے، وہی تین طلبہ ترجمہ کرتے، اِس طرح جب طلبہ چار مرتبہ عبارت وترجمہ سنتے تو اُن کو بہ آسانی سبق یاد ہوجاتا۔

## اندازِ افہام وتفہیم

آپ کے سمجھانے کا انداز بہت ہی انوکھا تھا، مشکل سے مشکل سبق کی بھی ایسی تشریح فرماتے کہ غبی سے غبی طالبِ علم بھی بہ آسانی سمجھ جاتا، آپ کا طرزِ تعلیم اور اندازِ افہام وتفہیم ایسا تھا کہ سبق کو پہلے زبانی طور پر اچھی طرح آسان الفاظ میں ذہن نشین کرادیتے، پھر کتاب کی عبارت کے ساتھ منطبق کرتے۔ بسا اوقات کتاب کی عبارت کے ساتھ واقعات ولطائف چسپاں کرتے اور ایسے چٹکلے بھی سناتے کہ طلبہ بلا اکتاہٹ بآسانی اسباق ضبط کرلیتے، جیسے ’’ہدایۃ النحو‘‘ میں جہاں ’’افعالِ قلوب‘‘ کو حذف کرنے کا قاعدہ آتا ہے، وہاں یہ جملہ پڑھا کرتے تھے: ’’ایں چہ بُردنی، گر بُردنی ہمہ را بُردنی، گر نہ بُردنی کسے را نہ بُردنی، یکے را بُردنی یکے را نہ بردنی؛ ایں چہ بُردنی؟‘‘ یہ کہہ کر سب کے چہروں پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے اور اپنے مخصوص لہجے میں فرماتے کہ: ’’کچھ نہیں سمجھے‘‘، پھر واقعہ سناتے کہ:

’’کسی سیٹھ کا ایک نوکر تھا، سیٹھ کی دو نوجوان لڑکیاں تھیں، نوکر کی ایک لڑکی سے آنکھ لڑ گئی، وہ اُسے بھگا کر لے گیا، تو سیٹھ نے کہا: ’’ایں چہ بردنی‘‘ یہ کیا لے

جانا ہوا، ''گر بُردنی ہمہ را بُردنی'' اگر لے جاتا تو دونوں کو لے جاتا، ''گر نہ بُردنی، کسے را نہ بُردنی'' اگر نہ لے جاتا تو کسی کو نہ لے جاتا، ''یکے را بُردنی، یکے را نہ بُردنی، ایں چہ بُردنی؟'' ایک کو لے جانا اور ایک کو نہ لے جانا؛ یہ کیا لے جانا ہوا؟'' پھر فرماتے کہ: ''ایسا ہی حال افعالِ قلوب کا ہے، اگر حذف کرنا ہو تو دونوں کو حذف کرو، ورنہ دونوں کو برقرار رکھو، یہ کیا؟ ایک مفعول کو حذف کیا، ایک کو چھوڑ دیا؟''۔ اسی طرح اور بہت سارے پیچیدہ مسائل اور غامض بحثیں واقعات اور چٹکلوں کے سہارے سمجھا دیا کرتے تھے۔

## تدریس کی ایک خاص ادا

آپ کی تفہیمی صلاحیتیں طویل تدریسی سفر کے باعث دوبالا ہوگئی تھیں، جس کی بنا پر کتابوں کا سبق پڑھانے کے بعد اُس کا خلاصہ کاپی میں لکھوا دیتے؛ تاکہ طلبہ اُس کو یاد کرلیں۔ حضرت کی منطق ومرقات کی املا کردہ کاپی تو اتنی جامع ومانع اور مقبول تھی کہ عربی سوم وچہارم کے طلبہ امتحان کے ایام میں بھی اُن کی تلاش میں رہتے اور انہی کاپیوں کا مطالعہ کرکے ''شرح تہذیب وقطبی'' کا امتحان دیتے۔

''تیسیر المنطق'' (مصنفہ: حافظ عبد اللہ صاحب گنگوہیؒ وتحشیہ: مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ) جو ابھی چند مہینے پہلے ''ادارۃ الصدیق ڈابھیل'' سے چھپی ہے اس میں مولانا کی کتاب کے متعلق لکھا ہے: ''......اُن تمام تعریفات کو یکجا اردو زبان میں حاصل کرنے کے لیے ''ضمیمۂ تیسیر المنطق'' بہ نام: ''درسِ منطق''

تصنیف: حضرت مولانا ابراہیم صاحب کاوی -نور اللہ مرقدہ- کا مطالعہ اِن شاء اللہ مفید ثابت ہوگا''۔

## خدمتِ خلق

مولانا بڑے خدمت گزار آدمی تھے، اپنے اساتذہ، تلامذہ اور دیگر مدرسینِ جامعہ کی بہت خدمت فرمائی ہے، گویا خدمتِ خلق کو انہوں نے اپنی زندگی کا ایک اہم حصہ بنالیا تھا۔ اس سلسلے میں حضرت مفتی عبد القیوم صاحب راجکوٹی -مدظلہ العالی- رقم طراز ہیں:

''خدمتِ خلق سے خدا ملتا ہے''، خدمت اُن (مولانا ابراہیم صاحب کاویؒ) کا وطیرہ تھا، یہ وصف اُن کے پورے گھرانے کا ہے۔ مولانا مرحوم جس دور میں حضرت شیخ الحدیثؒ کے ہاں سہارنپور خانقاہ میں تشریف لے جاتے، تو وہاں بھی اہلِ علم اور بزرگوں کی خدمت کا موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔ مولانا رشید الدین صاحب حمیدیؒ (متوفی: ۱۹۹۷ء) -مہتمم جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد، جو بڑے نازک مزاج تھے وہ- مولانا مرحوم سے بڑے مانوس تھے، مولانا کو قیامِ سہارنپور میں اُن کی خدمت کا شرف حاصل رہا، جامعہ کے اساتذہ؛ بلکہ اپنے شاگردوں تک کو بلاتکلف فرماتے: ''میرے لائق اور گھر والوں کے لائق جو بھی خدمت ہو، مطلع فرماویں''۔

انہوں نے جامعہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ایوب صاحب اعظمیؒ

کی بڑی خدمت کی ہے، وہ مولانا سے بہت مانوس اور مولانا کے بڑے مدّاح تھے، اسی طرح جامعہ کے سابق استاذ حضرت مولانا آدم صاحب طالع پوریؒ (متوفی: ۱۴۳۰ھ) کی بھی بہت خدمت کی، مولانا طالع پوریؒ آپؒ سے بہت محبت کرتے تھے"۔

## ایک ناقابلِ فراموش خدمت: نظامتِ خانقاہِ محمودیہ

رمضان المبارک میں محبوب العلما والصلحا حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری -ادام اللہ فیوضہم علینا- کی خانقاہِ محمودیہ بھی ایک طویل عرصے سے تاوفات آپؒ کی خدمت کا محور بنی رہی، سینکڑوں لوگوں کا ہجوم، اُن کے اوقات کی حفاظت، لغویات سے احتراز کروانا، مہمانوں کی رہائش اور آرام کے لیے بستر وغیرہ فراہم کرنا، کھانے پینے کا نظم ونسق سنبھالنا، بیماروں کے علاج ومعالجہ کے لیے متفکر رہنا، "تَسَحَّرُوْا، فَإِنَّ فِي السَّحُوْرِ بَرَكَةً" والی حدیث پر لوگوں کو عمل کی ترغیب دینا وغیرہ وغیرہ امور ایک عرصے تک تنِ تنہا انجام دیتے رہے۔

کیا رعب! کیا نظامت! وہ نورانی ماحول میں نگرانی! ایک ہی گرج دار آواز سے لوگوں کا بستر سے اٹھ جانا، بس ایک ہنگامہ، ہر شخص اپنا بستر تہہ کر رہا ہے، کرتا پہن رہا ہے، فراغت کے بعد نوافل میں مشغول ہونا، دوسری طرف دسترخوان کی تیاری؛ اور ان سب کی نگرانی کرتے ہوئے مولانا کرسی پر جلوہ افروز!

حد درجہ اصول پسند تھے کہ بے اصولی پر نہایت خفا ہوتے اور بڑے سے

بڑے آدمی کو بے اصولی پر ٹوکنے سے نہیں چوکتے۔شنید ہے کہ: کسی نے خانقاہ میں اس طرح ٹوکنے پر حضرتِ والا (حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم) سے شکایت کی، آپ نے جواب دیا کہ: ''میں کچھ نہیں کہہ سکتا، اگر مولانا ابراہیم صاحب مجھ کو بھی کہہ دیں کہ: خانقاہ سے نکل جا! تو مجھے نکلنا پڑے گا، وہ ناظم ہیں، اُن کی بات ماننا ضروری ہے''۔حضرتِ والا کا آپ پر اِس درجہ اعتماد آپ کی انتظامی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس سلسلے میں حضرت مفتی عبد القیوم صاحب راجکوٹی۔مدظلہ العالی۔لکھتے ہیں:

''مولانا کاوی صاحبؒ کی خدماتِ دینیہ میں اہم خدمت جامعہ ڈابھیل میں جاری ''خانقاہِ محمودیہ'' کی نظامت ہے۔سالہا سال تک ماہِ رمضان میں نظامت کے فرائض لوجہ اللہ انجام دیے، آنے والے مہمانوں کے نام درج کرنا، مہمانوں کو جگہ دینا، سحری کے وقت اُن کو بیدار کرنا، تعلیمِ کتب کی فکر کرنا، مہمانوں کے طعام کے علاوہ سفر کے لیے ریزرویشن کا بندوبست کرنا، کوئی بیمار ہو تو اس کے علاج ومعالجہ کے لیے فکر مند ہوجانا، بیمار کے لیے پرہیز کے کھانے کا انتظام کرنا وغیرہ وغیرہ سارے امورتنِ تنہا ایک زمانے تک آپؒ بذاتِ خود بہ نفسِ نفیس انجام دیتے رہے۔ جب مہمانوں کی تعداد بڑھنے لگی اور مولانا کی معذوریوں نے زور پکڑا تو اِس سلسلے میں دیگر معاونین کا سہارا لیا''۔

شب بھر جاگتے، نوافل وتلاوت میں مصروف رہتے، سحری میں آپ کی کڑک دار آواز گونجتی، سحری ونماز سے فارغ ہوکر گھر تشریف لے جاتے، ۹/بجے

پھر حاضر ہوجاتے، ظہر تک مسجد ہی میں مقیم رہتے، بعد ظہر ختمِ خواجگان وحلقۂ ذکر کے بعد بھی مسجد میں رہتے، عصر ومغرب سے فراغت پر کھانا ہوتا، تراویح سے فارغ ہوکر ناشتے کا نظم فرماتے، ساڑھے بارہ ایک بجے ناشتہ سے فارغ ہوکر پھر نوافل وتلاوت میں مشغول ہوجاتے۔ اواخرِ عمر میں خدام بارہا عرض کرتے کہ: حضرت! آپ تشریف لے جائیں، ہم یہاں سب دیکھ لیں گے؛ مگر آپ انکار فرمادیتے، اخیر سانس تک ضعیف العمری کے باوجود ایک خادم کی طرح بھاگتے دوڑتے رہے۔

حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب -مدظلہ العالی- لکھتے ہیں: ''خانقاہ میں طرح طرح کے لوگ آتے ہیں، کوئی نرم ہوتا ہے تو کوئی گرم، مختلف المزاج اشخاص کو لے کر چلنا جگر گردے کا کام ہے۔ آپؒ بڑے اصول پسند آدمی تھے، نیک صالح ومعمولات کے پابند تھے، یکسوئی کے ساتھ اپنے کاموں میں مصروف رہنے کے عادی تھے، آنے والے مہمانوں میں ایک بڑی تعداد وہ ہوتی جو اپنی اصلاح اور باطنی فیوض کے حصول کے لیے اپنے مرشد کے پاس آتی، ان میں سے اگر کوئی بے اصولی کرتا تو یہ بات مولانا کے لیے ناقابلِ برداشت ہوتی، گرج دار آواز میں تنبیہ فرماتے، ایسے مواقع پر حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانویؒ کی خانقاہ اور وہاں کے ناظم: مولانا شبیر علی صاحب کی تنبیہات کے واقعات -جو کتابوں میں پڑھے تھے- نظروں اور تصوروں میں گھوم جاتے اور خانقاہِ امدادیہ کی یاد تازہ ہوجاتی۔ اس وقت سمجھ میں آتا کہ اکرامِ ضیف کے ساتھ ساتھ گاہے گاہے اکرام

بالسیف بھی ضروری ہے، ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی کہ آنے والے احباب تضییعِ اوقات سے محفوظ رہیں، ماہِ مبارک کی مبارک گھڑیاں وصول کریں اور یہ تربیت انہوں نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خانقاہ سے پائی تھی، بعض مواقع پر حضرت شیخ کی خانقاہ کے دل چسپ اور پُرلطف قصے اور لطیفے بھی سناتے، ان کے اِس حُسنِ انتظام سے واردین بڑے خوش تھے۔ خانقاہ کی خدمت اور مہمانوں کو سہولت پہنچانے کے لیے انہوں نے خانقاہِ محمودیہ میں جو تینتیس سالہ طویل خدمات انجام دی ہیں، وہ بلا شبہ ان کے لیے صدقاتِ جاریہ کی حیثیت رکھتی ہیں"۔

## سبق کی پابندی

درس میں کتابوں اور شخصیتوں کے احترام کے ساتھ ساتھ ایک خاص وصف اسباق کی پابندی کا تھا، طوفان آئے، بارش ہو، مدرسے میں کوئی پروگرام ہو، بڑی سے بڑی شخصیت آئے؛ لیکن مجال نہ تھی کہ ضابطے میں مدرسہ کھلا ہو اور درس کا ناغہ ہو جائے، ہاں اتنا ہے کہ اکثر سال کے شروع کے چند مہینوں تک پنج شنبہ کو سبق نہیں پڑھاتے تھے یا دو گھنٹے پڑھا کر اکابرین کے قصے اور سبق آموز واقعات سناتے، جو طلبہ کی کردار سازی میں نہایت مؤثر ہوتے۔ بسا اوقات تکرار میں بٹھا دیتے اور اپنے مخصوص انداز میں فرماتے کہ: "اَلْیَوْمُ یَوْمُ الخَمِیْسِ، لَا یَجُوْزُ فِیهِ التَّدْرِیْسُ"۔

آپؒ کے انتقال کے بعد جب تعزیتی اجلاس منعقد ہوا تو لسانِ جامعہ

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب بارڈولی مدظلہ العالی نے استاذِ مرحوم کا حال بتایا کہ:

’’ہم نے عربی اول کی کتابیں مولانا ابراہیم صاحب کاویؒ سے پڑھی تھیں، بہت محنت سے پڑھاتے تھے، روزانہ مدرسہ شروع ہونے سے پہلے آجاتے اور سب کا سبق بھی سن لیا کرتے تھے اور اکثر جمعرات کو سبق نہیں پڑھاتے اور فرماتے: ’’اَلْیَوْمُ یَوْمُ الخَمِیْسِ، لَایَجُوْزُ فِیهِ التَّدْرِیْس‘‘ اور جس دن جمعرات کو سبق پڑھانے لگتے، تو ہم طلبہ وہی جملہ کہتے، تو مسکراتے ہوئے وہ جملہ تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ فرماتے: ’’اَلْیَوْمُ یَوْمُ الخَمِیْسِ، یَلْزَمُ فِیهِ التَّدْرِیْس‘‘ اور سبق پڑھانے لگتے‘‘۔

آپؒ کی پابندی کے متعلق حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی -مدظلہ العالی- لکھتے ہیں: ’’مولانا مدرسے کے اوقات کے بڑے پابند تھے، مدرسے کی تعطیل اور سبق کی غیر حاضری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جب تک گھٹنوں میں درد نہیں تھا، برابر چل کر آتے رہے، معذور ہونے کے بعد سواری میں آتے؛ لیکن کبھی بھی پابندئ وقت میں فرق نہیں آیا‘‘۔

## طلبہ سے شفقت ومحبت

مولانا نہایت ہی مشفق استاذ تھے، ہمیشہ مشفقانہ معاملہ فرماتے، اپنے شاگردوں سے خصوصی طور پر اور دیگر طلبہ سے عمومی طور پر بہت محبت فرماتے تھے، اگر چند دن تک ملاقات نہ ہو تو ملنے پر ناراض ہو جاتے۔ وفات کے سال راقم

الحروف عربی چہارم میں تھا، سال کے شروع میں گھر سے آنے کے بعد ملاقات کے لیے نہ جاسکا، ایک مہینہ گذر گیا، پھر ملنے گیا تو ملاقات کر کے آپؒ نے اپنے مخصوص لہجے میں بندے سے پوچھا: ''آج ہی گھر سے آئے ہو؟'' یہ جملہ سنتے ہی مجھے اپنی غفلت و سستی کی وجہ سے نہایت شرمندگی ہوئی، تب سے ٹھان لیا کہ اب تو گھر سے آکر پہلے ہی دن استاذِ محترم سے ملنے جایا کروں گا؛ لیکن کون جانتا تھا کہ اب وہ دن تو آئے گا؛ لیکن استاذ نہیں ہوں گے!

اِس سلسلے میں حضرت مفتی عبد القیوم صاحب ۔مدظلہ العالی۔ رقم طراز ہیں: ''مولانا نے اپنے اساتذہ سے طلبہ کے ساتھ شفقت آمیز معاملہ سیکھا تھا، چنانچہ وہ اپنے تلامذہ کے ساتھ بھی بڑی شفقت و محبت فرماتے، اِس کا نمونہ میرے رفیقِ درس مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوری زید مجدہم (ڈیوز بیری، یوکے) ہیں۔ موصوف کی تربیت میں مولانا مرحوم کا بڑا حصہ ہے، مولانا مرغوب صاحب نے طالبِ علمی کے دور میں بار بار تعلیم کا سلسلہ منقطع کر دیا، مولانا مرحوم اُن کے گاؤں (لاجپور) جا کر مِنت و سماجت کر کے واپس لاتے، علم کے فضائل سنا کر تعلیم کے لیے آمادہ کرتے، ایسا دسیوں بار ہوا، بالآخر مولانا مرغوب صاحب عالم بن کر رہے، آج ماشاء اللہ اکابر کی سوانح اور تصنیف و تالیف کے ذریعے بہترین خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مولانا مرغوب صاحب کا یہ علمی کارنامہ ان شاء اللہ مولانا مرحوم کے حق میں صدقۂ جاریہ ثابت ہوگا''۔

طلبہ سے محبت و شفقت کے متعلق حضرت مفتی معاذ صاحب ۔مدظلہ۔

ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ’’عربی دوم کے ’’شرفاء‘‘ نے عادت بنالی تھی، اِدھر اُستاذ نے فراغت کے لیے چھوڑا اور اُدھر بے ہنگم ہجوم مسجد میں جا دھمکتا اور پوری درس گاہ مسجد میں دراز، اور ’’کریلا نیم چڑھا‘‘ یہ کہ اِس درازی میں بھی کہیں سے کہیں تک شرافت نہیں، طوفان، مستی، ہنگامے۔ اسی وقت خادمِ مسجد صفائی کا کام بھی کرتا تھا، اُن کی خرمستیوں سے وہ عاجز آ گیا اور پتہ نہیں ایک دن اس کے ستارے گردش میں تھے یا کیا تھا، وہ استاذِ محترم کے پاس شکایت کرنے پہنچ گیا اور ایک ہی سانس میں پورا قصہ سنا دیا۔ استاذ نے طلبہ کے چہرے پر نظر ڈالی تو ماشاء اللہ سب دودھ سے دھلے اور آسمان سے ٹپکے، شرافت کے ریڈی میڈ مجسمے! اُن میں سے ایک جھٹ سے بول پڑا کہ: ’’استاذ جی!!! پورا مدرسہ وہاں مسجد میں آتا ہے، یہ ہمیشہ ہم لوگوں ہی سے الجھتا رہتا ہے۔‘‘ پھر تو گجراتی میں خطاب شروع ہوا کہ: ’’تنے آکھا جامعا ماں کھالی مارتج کلاس دِیکھائی چھے؟‘‘ (تجھے پورے مدرسے میں صرف میری ہی کلاس نظر آتی ہے) اور پھر جو صلواتیں سنائیں کہ بے چارہ اپنا سا منہ لے کر وہاں سے چلتا بنا!!‘‘

## علمی اعتبار سے اپنے شاگردوں کی فکر

مولانا کی ایک بہت اچھی صفت یہ تھی کہ آپ اپنے شاگردوں کی اور دیگر جو طلبہ آپ سے تعلق رکھتے تھے، اُن کی علمی اعتبار سے بھی فکر کرتے تھے، اِسی مناسبت سے حضرت مفتی معاذ صاحب مدظلہ لکھتے ہیں کہ:

''علمی اعتبار سے مولانا اپنے شاگردوں پر کڑی نگاہ رکھتے تھے، فراغت کے بعد جب پہلے سال بندے کو جامعہ میں خدمت کا موقع ملا، تو میں اپنے استاذِ محترم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: کچھ نصیحت فرمائیں۔ آپ نے خوشی کا اظہار فرمایا، حوصلے بڑھائے، مبارک بادی دی، دعاؤں سے نوازا اور پھر فرمایا کہ: ''ابھی تو اُردو میں ہو؛ اس لیے بیٹھے مت رہنا! فارسی کی تیاری شروع کردو، فارسی مکمل ہوجائے تو عربی اول کی کتب کا مطالعہ کرو، اس طرح پورا درسِ نظامی پڑھ ڈالو، دیکھو! ترقی کے انتظار میں اگر بیٹھے رہے اور مطالعہ نہیں کیا تو ضرورت پڑنے پر ساری صلاحیت دھری کی دھری رہ جائے گی''۔ استاذِ مکرم کی یہ نصیحت ہر نوجوان فاضل کو صفحۂ دل پر نقش کرلینا چاہیے''۔

## طلبہ کی تربیت

آپؒ طلبہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اُن کی تربیت کی بھی فکر فرماتے تھے، آپ کی تربیت کرنے کے بھی الگ الگ انداز تھے، کبھی بہت نرمی کے ساتھ محبت سے سمجھاتے تھے اور کبھی ایسے غصے کا انداز اختیار فرماتے کہ طالبِ علم پسینہ پسینہ ہوجاتا۔ راقم الحروف کو عربی دوم کے سال آپؒ کی خدمت کا شرف حاصل ہوا، آپ کی درس گاہ ''دارالسنۃ'' (جامعہ کی ایک عمارت) کی درمیانی منزل پر تھی، آپؒ کے پیروں میں عرصۂ دراز سے لڑکھڑاہٹ تھی، بندہ روزانہ آپ کو لفٹ کے ذریعے درس گاہ لاتا اور چھٹی کے وقت نیچے تک ساتھ جاتا، سواری میں بٹھا کر

واپس آتا۔ گرمیوں کا زمانہ چل رہا تھا، ایک دن چھٹی کے وقت جب مولانا کو بہ ذریعۂ لفٹ نیچے لے جانے لگا، تو مولانا نے بڑے پیار سے مشفقانہ انداز میں فرمایا: ''زکریا! آج کل کافیہ کے سبق میں بہت جھونکے لگاتے ہو'' مجھے بہت شرمندگی ہوئی، پسینہ پسینہ ہوگیا اور دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ مولانا کتنے شفیق ہیں، چاہتے تو سب کے سامنے اُسی وقت (کافیہ کے سبق میں) ڈانٹ سکتے تھے؛ لیکن پھر بھی تنہائی میں اتنے اچھے انداز میں کہا، اسی وقت عزمِ مصمم کرلیا کہ آج کے بعد کبھی استاذِ محترم کو شکایت کا موقع نہیں دوں گا اور سبق میں مکمل بیداری کے ساتھ بیٹھوں گا۔ یہ مولانا کی تربیت کا انوکھا انداز تھا۔

اِسی طرح امتحان کے موقع پر طلبہ کی ایسی تربیت فرماتے کہ طلبہ اُن کو ہمیشہ یاد رکھتے، اِتنا سخت امتحان لیتے کہ شاید ہی کوئی لیتا ہو، خصوصاً جو طلبہ ہوشیار ہوتے اور جن کو تقریری امتحان کی ترتیب میں آگے بڑھایا جاتا، اُن سے تو ایسے ایسے سوالات پوچھتے کہ اُن کے جوابات درجاتِ علیا کے ممتاز طلبہ بھی نہ دے پاتے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ جن طلبہ کو اپنے علم پر غرور ہوتا، اُن کا سارا بھوسا نکل جاتا۔

راقم الحروف جب عربی اول میں تھا، تو حضرتؒ ہی ممتحن طے ہوئے، پہلی مرتبہ امتحان لینے کے لیے آئے، استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی یوسف صاحب ہانسی سملکی -دامت برکاتہم- (مدرس جامعہ ڈابھیل وخلیفۂ مجاز حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ) نے مجھے امتحان کی ترتیب میں اول نمبر پر بڑھایا تھا، جیسے ہی مولانا

ابراہیم صاحب کاویؒ امتحان لینے کے لیے تشریف لائے، چہرہ دیکھا تو خفگی کے مصنوعی آثار اور رُعب طاری! آتے ہی پہلا سوال کیا کہ: ''صَرف کی تعریف سناؤ!'' بندے نے فوراً جواب دیا: ''صَرف وہ علم ہے جس میں کلمات کو بنانے اور اُن میں تغیر کرنے کا طریق بیان کیا جائے''۔ مولانا نے فوراً اپنے مخصوص انداز میں پوچھا: ''اِس عبارت سے تجھے کیا فائدہ ہوا؟'' میں خاموش رہا، پھر آواز آئی: ''تو نے تعریف میں کہا: ''کلمات کو بنانے اور اُن میں تغیر کرنے کا طریق بیان کیا جاوے'' تو کلمات کو بنانے کا کیا مطلب؟ کرسی ایک کلمہ ہے: اِس سے کیا بنا؟؟؟'' اب میں اِس کا کیا جواب دیتا! خاموش رہنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا، تو مولانا غصے میں فرمانے لگے: ''پہلے ہی سوال میں ٹھنڈا ہو گیا''۔ امتحان تو جیسے تیسے پورا ہو گیا، میں نے یہ سن رکھا تھا کہ مولانا امتحان میں ناکام بھی کرتے ہیں، بہت پریشان ہو گیا، مستقل ایک ہی فکر، ایک ہی ٹینشن کہ پتہ نہیں کیا حال ہوگا؟ ناکام کر دیا تو کیا حالت ہوگی؟ استاذ کے اعتماد کا کیا ہوگا؟ خیر! عید الاضحیٰ کی تعطیلات آگئیں، گھر سے واپس آنے کے بعد پہلے ہی دن امتحان کے نتائج آگئے، دیکھا تو الحمد للہ درس گاہ میں اول نمبر آیا ہوا تھا اور کتاب الصرف میں اڑتالیس نمبرات عنایت ہوئے تھے، جو پوری درس گاہ میں سب سے زیادہ تھے۔ بعد میں احساس ہوا کہ یہ سب کچھ تربیت اور تحصیلِ علم میں مزید تشویق اور رغبت بڑھانے کے لیے تھا۔ یہ مولانا کی تربیت کا انوکھا انداز تھا۔

اِسی مناسبت سے حضرت مفتی معاذ صاحب مدظلہ لکھتے ہیں کہ: مولاناؒ

اپنے تلامذہ اور شاگردوں کی اِسی طرح تربیت کرتے تھے جیسے باپ اپنی اولاد کی، بحیثیت ایک شاگرد کے اِس گنہگار کو بھی مولانا سے استفادے کا موقع ملا، زندگی میں پہلی مرتبہ تعارف اُس وقت ہوا جب فارسی دوم میں تیرہ سالہ ناتجربہ کار طالبِ علم، علم کے اُس بحرِ ناپیدا کنار کے سامنے گھبراتے ہوئے امتحان دینے بیٹھا۔ سوئے قسمت کہ ہماری درس گاہ اکثر شرارت کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی تھی اور ستم یہ ہوا کہ مولانا ہی کے سامنے کھلے بندوں اچھل کود کرتے ہوئے ''مابدولت'' بھی دیکھے گئے، مستی اور شرارت کا نشہ ایسا سر چڑھ کر بول رہا تھا کہ گرد وپیش کی کچھ خبر نہ تھی، مولانا آئے اور اپنے مخصوص انداز میں دھمکی دیتے ہوئے کہہ گئے کہ: ''دیکھتا ہوں، کون مائی کا لال مجھ کو امتحان دیتا ہے؟؟'' اور پھر امتحان میں جو دُرگت بنی وہ آج تک یاد ہے۔ پہلے ہی امتحان میں ''مفتاح القواعد'' میں پوچھ لیا کہ: ''بہ قرینۂ مقالیہ کس کو کہتے ہیں؟'' اور جناب! ایک ہی سوال میں پوری کلاس اپنے بڑے بڑے سورماؤں کے ساتھ ڈھیر ہوگئی اور پھر جلالی انداز میں عینک دو انگلی کے سہارے پیشانی پر چڑھاتے ہوئے فرمایا: ''بہ قرینۂ مقالیہ: ڈھینگا مستی کرنے کو کہتے ہیں'' اور پھر جو ڈانٹنا شروع کیا، تو چھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔ نتیجۂ امتحان آیا تو حسبِ توقع اکثر ساتھی مجروح تھے اور کچھ کو مرحوم بھی ہونا پڑا، ماہانہ امتحان کا اتنا خوف کسی درجے میں نہیں ہوا اور وہ شعر تو دل کی گہرائیوں میں اتر گیا تھا کہ:

| |
|---|
| ہر وقت ستاتا ہے مجھے یہ امتحانِ ماہانہ |
| کبھی سہ ماہی، کبھی ششماہی، کبھی کم بخت سالانہ |

خدا خدا کرکے ''کم بخت'' سالانہ آ گیا اور سالانہ کیا آیا، ساتھ میں شامتِ اعمال لایا، امتحان لیتے ہوئے مولانا نے محسوس کرلیا کہ اِس تیرہ سالہ چھوکرے کو اُردو دانی کا غرور ہے، بس! پھر جو ''تاریخِ اسلام'' میں گھمایا پھرایا کہ سارا غرور چشم زدن میں خاک آلود ہوگیا اور آخری سوال جو ہمارے امتحان کے تابوت میں ممتحن کی آخری کیل ثابت ہوا، وہ یہ تھا:

مولانا: شجاعت وجواں مردی کا کیا معنی؟؟

ناتجربہ کار چھوکرا: دونوں کا معنی بہادری۔

مولانا: دونوں کا معنی ایک کیسے ہوگیا؟

چھوکرا: دو لفظوں کا ایک ہی معنی ہو، اُس کو اُردو میں ''مترادف'' کہا جاتا ہے۔

مولانا: جب معنی ایک ہی ہے تو دونوں کو لانے کی کیا ضرورت؟

چھوکرا: اِس سے کلام میں حُسن پیدا ہوتا ہے۔

مولانا (جلالی لہجے میں): یہ کوئی حُسن ہے؟؟

بس پھر کیا تھا؟ لونڈا زیر ہوگیا، اُس وقت کس کو معلوم تھا کہ حُسن اہلِ زبان کا معتبر ہے؟ لیکن اور بھی ہَوا نکالنی تھی، مولانا نے چشمہ اونچا کرکے آنکھیں نکالیں اور زوردار آواز میں فیصلہ صادر ہوا کہ: ''تجھ کو فیل کردوں گا!''

ٹپ.........ٹپ.........ٹپ.........

اور پھر جو سیلاب بہا، وہ کسی کے روکے نہ رُکا، مولانا امتحان لے کر چلے گئے؛ لیکن چشمِ گریاں تھیں کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھیں، لاکھ کلاس والوں نے سمجھایا کہ: ''ابے! کیا روتا ہے، وہ تو خالی ڈرانے کے لیے کہا ہے''؛ لیکن ''جس پر گذری وہ دوسرا کیا جانے!''، روتے پیٹتے وقتِ موعود آ گیا، نتائج کی وہ بھیانک رات، الامان والحفیظ! دھڑکتے دل کے ساتھ یہ طے کر کے ہی آئے کہ اگر فلاں بن فلاں کے نام کا اعلان ہوا تو پیچھے سے نو دو گیارہ؛ لیکن اعلان ہوا تو چمتکار ہو گیا: مابدولت کامیاب؛ بلکہ ممتاز نمبرات سے کامیاب، اور تاریخِ اسلام میں پینتالیس، واہ!......واہ!...... باچھیں کھل کھل گئیں اور اُس دن وہ اُدّھم مچایا کہ دارالاقامہ سر پر اٹھالیا۔ اندازہ کریں اُس خوشی کا کہ لبِ جاں نہ صرف زندہ ہو گیا؛ بلکہ اچھلنے کودنے اور پھدکنے لگا۔ یہ تو بعد میں معلوم ہوا کہ ہمہ دانی کا غرور خاک میں ملانے کی یہ ایک ادنیٰ سی ترکیب تھی''۔

## دل لگی وخوش طبعی

آپؒ بہ ظاہر بہت سخت معلوم ہوتے تھے؛ لیکن جن طلبہ نے آپؒ سے استفادہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ آپ بارعب ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت خوش طبع آدمی بھی تھے۔ اس سلسلے میں حضرت مفتی عبد القیوم صاحب۔مدظلہ العالی۔ لکھتے ہیں:

''مولانا کی شخصیت مزاح وخوش طبعی سے پُر تھی، بارعب ہونے کے ساتھ

ساتھ دل نواز اور باغ و بہار تھی، اُن کے عالمانہ لطائف وظرائف عجیب ہوتے، لطیفے اور چٹکلے سنا کر خود بھی ہنستے اور اوروں کو بھی محظوظ فرماتے، بنگالی طلبہ کے انوکھے لطیفے سناتے وقت طلبہ کو خوب ہنساتے، اکابرِ دیوبند کے واقعات سنا کر طلبہ کی تربیت فرماتے۔ مشتے از خروارے کے طور پر چند یہ ہیں:

کتبِ فقہ میں مولانا کبھی کبھی طلبہ کی فہم اور درس میں استحضار کا امتحان لینے کے لیے کتاب کی عبارت کا ترجمہ ظرافت آمیز کرتے، مثلاً کتبِ فقہ میں "بَابُ مَايُفْسِدُ الصَّلَاةَ" میں ایک عبارت ہے: "مَرَّ مَارٌّ فِيْ مَوْضَعِ سُجُوْدٍ، لَاتَفْسُدُ" اس عبارت کا صحیح ترجمہ ہے: "مصلی کے سجدے کی جگہ سے کوئی گذر گیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔" مولانا اس جگہ یوں گویا ہوتے: "مَرَّ مَارٌّ" کوئی مرنے والا مر گیا۔

اسی طرح ایک مسئلہ "کتاب الجنائز" میں ہے: "وَالْكَافُوْرُ عَلٰى مَسَاجِدِه" مسئلہ یہ ہے: میت کے سجدے کی جگہوں پر کافور لگایا جائے۔ مولانا کا امتحانی ترجمہ ہوتا: "میت نے جہاں جہاں مسجدیں بنائی ہیں، وہاں جا کر کافور مَل دے"۔ طالبِ علم دل و دماغ سے حاضر ہوتا تو صحیح ترجمہ کر لیتا، بہ صورتِ دیگر مولانا کا امتحانی ترجمہ کر کے اپنے لیے آزمائش مول لیتا۔ اسی طرح کے اور بھی لطائف مولانا سے سننے کو ملتے تھے۔

مولانا آدم صاحبؒ کا لطیفہ سناتے کہ: مولانا نے لاہور میں ایک بدو سے پوچھا کہ: آپ لوگ ناشتے میں کیا کھاتے ہو؟ اس نے جواباً کہا: ہم غریبوں کا کیا ناشتہ؟ صبح بیدار ہو کر جنگل میں جاتے ہیں، وہاں سے بادام، چلغوزہ، اخروٹ لا کر

گھی اور شہد کے ساتھ ملا کر کھا لیتے ہیں، معاً ایک آدھ مرغی کا چوزہ بھی ہوتا ہے؛ یہ ہم غریبوں کا ناشتہ ہے‘‘۔

اسی طرح حضرت مفتی معاذ صاحب -مدظلہ- بھی رقم طراز ہیں:

’’فارسی دوم میں امتحان دیتے ہوئے بہت سی مرتبہ میں نے خود محسوس کیا کہ مرحوم مصنوعی خَفگی کا اظہار فرما رہے ہیں، بوستاں کا امتحان شروع ہوا اور مرحوم نے کہا کہ: ہر ایک طالب علم لہجے میں پڑھے گا۔ اب جو درس گاہ میں پچ رنگی، نت نئے، مخترَ عہ لہجے شروع ہوئے کہ بیان سے باہر ہے۔ مرحوم کچھ دیر سنتے رہے، پھر جب لہجے آؤٹ آف کنٹرول ہو گئے تو مصنوعی خَفگی کا اظہار کرتے ہوئے پاٹ دار آواز میں فرمایا کہ: آج جو عجیب وغریب لہجے میں نے سنے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ شیخ سعدیؒ کی روح بھی قبر میں کانپ رہی ہوگی۔ اس کے بعد تو سب اپنے لہجے بھول گئے اور گویا اِس دیس میں لہجوں کا قحط پڑ گیا، بہت دیر بعد اخیر اخیر میں ڈابھیل کے ایک طالبِ علم نے ہمت کر کے لہجے میں پڑھنا شروع کیا اور جناب! لہجہ کیا تھا، زندہ سنے تو مر جائے اور مُردہ سنے تو جی اٹھے، سب کی ایک ہی سوچ تھی: یہ تو گیا؛ لیکن بالکل خلافِ معمول مرحوم ہنس پڑے، سب کی جان میں جان آئی تو استاذِ محترم نے ہنستے ہوئے اُس طالبِ علم سے اِرشاد فرمایا کہ: تمہارا لہجہ سن کر ایک مفید مشورہ ذہن میں آ رہا ہے، تم ایک کام کرو، تعطیلات میں ڈھول لے کر شہروں اور دیہاتوں میں گھومو اور اشعار پڑھ کر مانگو۔ اچھا خاصا پیسہ مل جائے گا۔ اس جملے

کے ختم ہوتے ہی درس گاہ میں پہلی اور آخری مرتبہ ہنسی کا فوارہ چھوٹا۔ یہ تو امتحان کی بات تھی؛ ورنہ اپنی درس گاہ کے بچوں کو گاہے گاہے لطیفے بھی سناتے، اشعار سے بھی نوازتے اور بزرگوں کے قصے بھی بہ طورِ عبرت بیان فرماتے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ: گرمی کا زمانہ تھا، مچھروں کی فوجِ ظفر موج حملہ آور تھی، پنکھے اور اگربتی کا کوئی تصور نہ تھا، چادر اوڑھ کر سوئے تو گرمی کے مارے حال بُرا ہو جائے اور چادر پرے پھینک دے، تو مچھر اپنی شیریں ''رِنگ ٹون'' بِھن بِھن کر کے کانوں میں رَس گھولیں، غضب یہ تھا کہ غربت ایسی کہ فاقوں پر گذران تھا، مچھر دانی کیسے خریدتے، اِس بے بسی پر کسی دل جلے نے یوں کہا:

| | | |
|---|---|---|
| يَاأَيهَا الْمَچهَر ! لَاتبِن بن عِند كاني | | أنا رجلٌ غريبٌ ليسَ لي مچهر داني |

ایک مرتبہ ایک شاعر کا ایسا لطیفہ سنایا کہ درس گاہ زعفران زار ہوگئی، شاعر میں خاص بات یہ تھی کہ کیسا بھی شعر ہو، اُس میں ''ہگنے یا موتنے'' کا ذکر ضرور آجاتا، اور غضب یہ تھا کہ شعر کی معنویت میں کوئی فرق نہ آنے پاتا، سب شاعروں نے مل جل کر پلان بنایا کہ اِس کو ایک دن ذلیل کرنا چاہیے۔ چنانچہ طے شدہ منصوبے کے مطابق عین مشاعرے میں ایک صاحب نے یہ مصرع پڑھا کہ:

''جب تیغ اٹھائی حیدرِ کرار نے''

اور اُن شاعر صاحب کو چیلنج دیا گیا کہ آپ اپنے اصول پر دوسرا مصرع پیش کیجیے، سازش کے تانے بانے بننے والوں نے یہ سوچ کر یہ مصرع پیش کیا تھا کہ خالص

اسلامی شعر میں کس طرح ہگنے موتنے کا لفظ لایا جائے گا؛ لیکن وہ شاعر بھی دودھ پیتا بچہ نہیں تھا، کھڑا ہوا اور اسٹیج پر برجستہ یہ مصرع جڑ دیا:

جب تیغ اٹھائی حیدرِ کرّار نے
ڈر کے مارے ہگ دیا لشکرِ کفار نے

ایسے بہت سے لطیفے اور بزرگوں کے قصے سناتے اور ہنستے ہنساتے قیمتی نصیحت کر جاتے۔ اب تو یہ سب باتیں خواب وخیال کا حصہ بن گئیں، جانے والا چلا گیا، پیچھے خوش گوار باتیں اور قیمتی یادیں چھوڑ گیا"۔

## دیگر اوصاف وخصائلِ حمیدہ

آپؒ سادگی کا پیکر، فروتنی کا بہتا دریا، تارکِ دنیا، راغبِ آخرت، قانع باللہ اور اخلاقِ نبوت کا مظہر تھے؛ خوش روئی، نرم خوئی، لطافت سے مالا مال، اعلیٰ کردار، سچ گو، بلند ہمت، خلق کے خیر خواہ، بے آزار اور اصول پسند تھے۔ تواضع ایسی کہ ایک مرتبہ خانقاہِ محمودیہ میں حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری۔ دامت برکاتہم العالیہ۔ کے کسی خلیفہ کو غلط فہمی میں دسترخوان سے اٹھا دیا، بعد میں حقیقتِ حال معلوم ہونے پر خود اُن کے پاس گئے اور نیچے بیٹھ کر معافی مانگی، حالاں کہ آپ پوری خانقاہ کے ناظمِ اعلیٰ تھے، اِس نظامت نے آپ کو معافی مانگنے سے نہیں روکا۔ یہ وہی کر سکتا ہے جس کے دل میں تواضع کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہو۔ معاملات واخلاق اور عام زندگی کے برتاؤ ولین دین میں اتباعِ سنت اور اسوۂ

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عامل وکاربند تھے؛ ان ہی صفاتِ حمیدہ نے آپ کو اسلاف کی چلتی پھرتی اور جیتی جاگتی تصویر بنادیا تھا، جو دور سے دیکھتا وہ رعب کی وجہ سے ڈر جاتا اور جو قریب آتا آپ اُس کے محبوب بن جاتے۔ اسی طرح آپ عبادات کے بھی بڑے پابند تھے، ہر وقت ذکر واذکار سے آپ رطب اللسان رہتے، ماہِ مبارک میں تسبیحات ودیگر امورِ دینیہ کے ساتھ روزانہ دس پارے پڑھنے کا معمول تھا اور وفات والے سال آیاتِ توحید کو یکجا جمع کر کے رات کو پڑھنے کا معمول بنالیا تھا، اِس حسنِ نیت کے ساتھ کہ ایمان پر خاتمہ نصیب ہوجائے۔

## وفات

مولانا بالکل تندرست تھے، گھٹنوں میں تکلیف کی وجہ سے چلنے میں اگرچہ دِقت تھی؛ مگر بہ ظاہر کوئی بیماری نہیں تھی، اِنتقال سے ایک دن قبل طلبہ کو ''علم الصیغۃ'' کے سبق میں کچھ قواعدِ صرف لکھوا کر اپنے مخصوص انداز میں فرمایا کہ: ''آئندہ کل آکر سب کا سبق سنوں گا''؛ لیکن کون جانتا تھا کہ آئندہ کل درس گاہ آپ کی صورت بھی نہ دیکھ سکے گی۔ شبِ وفات سینے میں قدرے تکلیف تھی، اہلِ خانہ نے صبح اصرار بھی کیا کہ: آج آرام فرمالیں؛ لیکن آپ نے سبق کا ناغہ گوارا نہ فرمایا اور مدرسہ آنے کی تیاری فرمانے لگے۔ تقریباً صبح کے آٹھ بجے تھے، اِسی دوران گھر میں گرے، مولانا کیا گرے، جامعہ ڈابھیل کا ایک زبردست اور مضبوط ستون گر گیا۔ اور مکمل چھیاسٹھ سالہ زندگی گزار کر ۱۵؍صفر المظفر ۱۴۳۶ھ مطابق

۹؍دسمبر ۲۰۱۴ء بروز سہ شنبہ اِس دارِ فانی سے عالمِ جاوِدانی کی طرف رحلت فرما گئے۔ إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

اگرچہ حالات کا سفینہ اسیرِ گرداب ہو چکا ہے
اگرچہ منجھدار کے تھپیڑوں سے قافلہ ہوش کھو چکا ہے
اگرچہ قدرت کا ایک شہ کار آخری نیند سو چکا ہے
مگر تیری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

## ہائے افسوس!!!

وہ ''نورالایضاح'' کا پرلطف درس، وہ ''ہدایۃ النحو'' کی دِل نشیں تشریح، وہ ''علم الصیغۃ'' اور ''تیسیر المنطق'' کی جامع ومانع کاپی، وہ ''قدوری'' کا دل چسپ اندازِ بیاں اور وہ ''کافیہ'' کا پُرمغز سبق کہ مصنف بھی عَش عَش کر اٹھے، وہ اپنے طلبہ کی تربیت، اُن کی کڑی نگرانی، اصول کی پابندی اور کبھی کبھی جرموں کو نظر انداز کر دینا، وہ اُن کے بارعب چہرے کے پیچھے سے جھانکتا ہوا مسکراتا مکھڑا، وہ کمالِ صد بے نیازی سے عینک کا پیشانی پر چڑھانا اور وہ ہاتھوں کے پیالے میں بیضوی چہرہ رکھ کر سوچنے کا دل رُبا انداز!

اور جناب! وہ ان کا خفا ہونا، اظہارِ خفگی کے لیے دولت کدہ سے پانی لا کر خود اپنے ہاتھوں سے پینا، وہ نظریں چُرا چُرا کر طلبہ کے تأثرات دیکھنا، وہ پوری درس گاہ کا استاذ کو منانے جانا، پھر ''نا'' ''نا'' کرتے استاذ کا پیار کر جانا اور پھر محبت

وشفقت کے چشمے کا ایسے پھوٹ پڑنا کہ ہر طالبِ علم اُس کی رَو میں بہہ جائے، مِلنسار و خلیق، سخی و مہمان نواز، حلیم و بردبار، تواضع وانکساری کا پیکر، علم کا بہتا دریا، شہرت و ناموری سے کوسوں دور بھاگنے والا......

آہ! آہ! آہ! اور صد آہ! کس گراں مایہ موتی سے ہاتھ دھو بیٹھے، افسوس! کسے کھو دیا؟ ہائے! کون چلا گیا؟ اُف! کس سے محروم ہو گئے؟

## غسل وصلاۃِ جنازہ

زندگی بھر کے جگری دوست، پھر محبوب شیخ، مرکزِ عقیدت حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری -ادام اللہ فیوضہم علینا- اور تلمیذِ رشید، لسانِ جامعہ حضرت مفتی محمود صاحب بارڈولی -مدظلہ العالی- اور دیگر حضرات نے اپنے دستِ بابرکت سے غسل دیا، پھر ظہر کے بعد احاطۂ جامعہ میں حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ ہی نے نمازِ جنازہ پڑھائی، طلبۂ جامعہ کے علاوہ سوگواروں کی بہت بڑی تعداد نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی۔

## تدفین

ڈابھیل کے ''آدم پیر'' نامی مقبرہ میں تقریباً ساڑھے تین بجے سپردِ خاک کیے گئے۔ اب کہاں ملے گی ایسی شخصیت! اور کس چراغ کو ہاتھ میں لے کر تلاش کیا جائے اِس خزینے کو!

اِس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ کسی نعمت کی عظمت کا احساس اس کے ہاتھ

سے نکل جانے کے بعد ہوتا ہے اور اس میں بھی دو رائے نہیں ہو سکتیں کہ جامعہ آپؒ کے سانحۂ ارتحال سے نا قابلِ تلافی نقصان سے دو چار ہوا ہے اور یہ حادثہ اُس کے حق میں زخمِ بے مرہم سے کم نہیں؛ لیکن "قدَّر اللّٰہُ ماشاء" کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کی تمام مساعئ جمیلہ کو قبول فرمائے، زلّات سے درگذر فرمائے، اپنی خصوصی نوازشوں سے نوازے اور اپنے مقاماتِ قرب میں جگہ عطا فرمائے، پس ماندگان کو صبرِ جمیل اور اجرِ جزیل عطا فرمائے۔ اٰمین بحرمة سيد المرسلين.

# نالۂ غمناک بر وفاتِ حسرت آیات

## حضرت مولانا ابراہیم صاحب کاویؒ

**نتیجۂ فکر: معاذ کولہا پوری**

(متعلم: عربی سوم)

| | | |
|---|---|---|
| ہر دل یہاں لہو لہو، ہر آنکھ اشکبار ہے | | ہر دل پہ غم کا بار ہے، ہر نفس بے قرار ہے |
| اس گلستاں سے وہ گئے دل کو تو یوں لگا | | یہ بھی کوئی چمن ہی ہے یا خارزار ہے |
| کل تک تھی جن کی دید ہی دُکھ درد کی دوا | | اُن کی ہی یاد آج دل پر مثلِ خار ہے |
| لگتا ہے درسگاہ میں سنّاٹا دیکھ کر | | دیوار و در پہ ان کے ہی غم کا غبار ہے |
| کبھی درگذر کبھی غضب، دل بر تھی ہر ادا | | ان کے غمِ فراق کا ہر دل شکار ہے |
| سلب آج ہم سے ہو گئی نعمت جو تھی عظیم | | نا قدری کی سزا ہے یا قسمت کی مار ہے |
| ہے یہ دعا کہ رب کہے واں اُن کو دیکھ کر | | رضوان! جانے دو اسے، یہ میرا یار ہے |

# حضرت الاستاذ

## مولانا ابراہیم صاحب اٹالوی۔نوراللہ مرقدہ۔

والدین کے بعد انسان کی شخصیت کی تعمیر میں سب سے زیادہ جن کا حصہ ہوتا ہے وہ ہیں اساتذہ، اگر انسان کے جسم کی نشو ونما والدین کی رہینِ منت ہوتی ہے،تو اس کی فکری نشو ونما اساتذہ کے ذریعے وجود میں آتی ہے؛اس لیے جب بھی کسی اہم شخصیت کا ذکر کیا جاتا ہےتو اُن کے اساتذہ کا ذکر بھی ضرور ہوتا ہے۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسان کے محسنین کی فہرست میں اساتذہ کے نام کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ پھر اساتذہ میں بھی بعض وہ ہوتے ہیں کہ شاگردوں پر اُن کی محبت وشفقت اورتوجہ وعنایت انمٹ نقوش چھوڑ جاتی ہےاور اُن کی شخصیت طالبِ علم کی زندگی کا ناقابلِ فراموش حصہ بن جاتی ہے۔

راقم الحروف کو بھی بحمد للہ ایسے اساتذہ سے استفادے کا موقع ملا اورمل رہا ہے، جوعلم وفضل، ورع وتقویٰ، تدریسی صلاحیت اورطلبہ کے ساتھ شفقت کے معاملے میں اپنی مثال آپ ہیں، ایسی ہی نمایاں شخصیتوں میں ایک ’’حضرت مولانا ابراہیم صاحب اٹالوی رحمۃ اللہ علیہ‘‘ بھی تھے۔ وہ نہ شیریں بیان مقرر تھے، نہ شستہ ودل آویز قلم کے مالک ومصنف، نہ شعر گوئی کا نمایاں ذوق رکھتے تھے، نہ ہی مجلس کو زعفران زار کردینے والی گفتگو کرتے تھے، وضع قطع بھی عام سی

تھی؛ لیکن اِن سب کے باوجود وہ ایک کامل استاذ اور نہایت کامیاب مربی تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ طلبہ کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بن کر رہتے تھے۔ ذیل میں ان کی قابل رشک حیات کے چند اوراق ہدیۂ ناظرین ہیں۔

## ولادت

۲۴/ ربیع الآخر ۱۳۵۹ھ مطابق یکم، جون ۱۹۴۰ء بروز شنبہ، ضلع سورت کے ایک چھوٹے سے گم نام گاؤں ''اٹالوا'' کے ایک شریف دیندار گھرانے میں ایک بچے نے آنکھیں کھولیں، اسمِ گرامی ''ابراہیم'' تجویز ہوا، والد صاحب کا نام محمد پٹیل تھا، عالم تو نہیں تھے؛ مگر نہایت دین دار اور زاہد و عابد انسان تھے، اکثر اپنے رب سے راز و نیاز میں مصروف رہتے، پوری زندگی شریعت وسنت کے مطابق گزار کر اپنے آبائی وطن اٹالوا میں مدفون ہوئے۔

## تعلیم وتربیت

تعلیم کا آغاز آغوشِ مادر سے ہوا، ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں ہوئی، مکتب کی تعلیم مکمل کر کے وطن کے قریب ہی ''تراج'' کے مدرسہ ''مفتاح العلوم'' میں عربی سوم تک تعلیم حاصل کی، پھر آگے کی تعلیم کے لیے شہرۂ آفاق ادارہ: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل پہنچے اور درجۂ عربی سوم مکرر پڑھا۔ نہایت دلجمعی اور جانفشانی سے علم حاصل کیا اور گردشِ ایام کی موافقت ومخالفت میں تعلیمی شاہراہوں

کو عبور کرتے ہوئے درجۂ عالمیت کے آخری مرحلہ پر بفضلِ الٰہی جا پہنچے۔ اس سفرِ علمی کی ہر منزل میں ممتاز نمبرات سے کامیابی حاصل کی اور تعلیمی جانفشانیوں کے ساتھ ساتھ ثقافتی سرگرمیوں میں بھی مصروف رہے اور اسی تن دہی و سرگرمی کا نتیجہ تھا کہ آپ کو دورۂ حدیث شریف میں اردو انجمن کے صدر ہونے کا اعزاز بخشا گیا اور کمال یہ ہے کہ ان گراں قدر ذمہ داریوں کے باوجود تعلیمی سرگرمی میں ذرا بھی کمی محسوس نہیں ہونے دی، چنانچہ دورۂ حدیث میں بھی اول درجہ سے کامیاب ہوئے۔ جن صلاحیتوں کو لے کر چلے تھے اب ان کے اجاگر ہونے کا وقت آ پہنچا۔ چنانچہ ۹/شعبان ۱۳۸۸ھ مطابق ۳۱/اکتوبر ۱۹۶۸ء بروز پنچ شنبہ اساتذۂ جامعہ کے بابرکت ہاتھوں سے آپ کے سر پر دستارِ فضیلت باندھی گئی۔ تاریخِ جامعہ کے ۱۳۸۸ھ کے فضلا میں آپ کا نمایاں نام دیکھا جا سکتا ہے۔ (دیکھئے تاریخ جامعہ:۴۶۶)

ڈابھیل سے فراغت کے بعد آپ ازہرِ ثانی دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں ''تخصص فی الحدیث والتفسیر'' میں داخلہ لیا اور ایک سال تک تفسیر و حدیث میں پختگی اور مختلف علوم وفنون میں کمال حاصل کرتے رہے۔ یک سالہ تخصص کی تکمیل کے بعد مے کدۂ قاسمی سے واپسی ہوئی۔

زمانۂ طالبِ علمی میں ہمیشہ لغویات سے بچ کر مقصد کے حصول میں لگے رہے اور محنت و مشقت اور جفاکشی کے ساتھ تحصیلِ علم میں مگن رہے، اسی یکسوئی،

محنت اور دل لگا کر پڑھنے کا ثمرہ تھا کہ ہمیشہ ممتاز اور اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوتے رہے۔ چنانچہ عربی چہارم سے لے کر دورۂ حدیث تک آپ کو امتحانات میں جو کامیابی حاصل ہوئی اور کتابوں میں جو ممتاز نمبرات ملے اسی سے آپ کی منفرد صلاحیت اور نمایاں محنت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ذیل میں جامعہ ڈابھیل کے قدر شناس مہتمم مشفقی حضرت مولانا احمد صاحب بزرگ -ادام اللہ فیوضھم علینا- کے شکریہ کے ساتھ عربی چہارم سے لے کر دورۂ حدیث تک کے نمبرات لکھے جارہے ہیں:

## عربی چہارم (اول نمبر)

| اسمائے کتب | سہ ماہی | ششماہی | سالانہ |
|---|---|---|---|
| شرح وقایہ | ۴۵ | ۴۲ | ۴۸ |
| ترجمۂ قرآن مجید (نصف اول) | ۴۶ | ۴۱ | ۴۸ |
| نور الانوار | ۴۷ | ۴۸ | ۴۸ |
| مقاماتِ حریری | ۴۵ | --- | ۵۰ |
| سفینۃ البلغاء | ۴۵ | --- | ۵۰ |
| ہدیہ سعیدیہ | ۳۵ | ۳۶ | |
| معین الحکمت | ۳۷ | | ۴۹ |
| مختارات | --- | ۴۷ | --- |

| | | | |
|---|---|---|---|
| البلاغۃ الواضحۃ | | ۴۷ | --- |

## عربی پنجم (دوم نمبر)

| اسمائے کتب | سہ ماہی | ششماہی | سالانہ |
|---|---|---|---|
| ہدایہ اولین | ۵۰ | ۴۹ | ۴۶ |
| مختصر المعانی | ۴۸ | ۳۹ | ۴۵ |
| ترجمۂ قرآن مجید (نصف اول) | ۴۸ | ۴۴ | ۴۴ |
| دیوانِ متنبی | ۴۵ | ۴۳ | ۴۳ |
| شرح عقائد | ۴۸ | ۴۷ | ۴۷ |
| حامی | --- | --- | ۴۰ |
| سراجی ومعین الفرائض | ۴۷ | ۴۹ | سراجی: ۴۳ |

## عربی ششم (سوم نمبر)

| اسمائے کتب | سہ ماہی | ششماہی | سالانہ |
|---|---|---|---|
| مشکوٰۃ شریف | ۴۹ | ب | ۴۷ |
| جلالین شریف | ۴۹ | ب | ۴۳ |
| ہدایہ آخرین | ۴۹ | ب | ۳۷ |
| نخبۃ الفکر | ۴۹ | ب | ۴۸ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| الفوز الکبیر | ٤٩ | ب | ٤٣ |

## عربی ہفتم (اول نمبر)

| اسمائے کتب | سہ ماہی | ششماہی | سالانہ |
|---|---|---|---|
| بخاری شریف | ٤٤ | ٤٥ | ٤٧ |
| مسلم شریف | ٤٤ | ٤٥ | ٤٦ |
| ترمذی شریف | ٤٣ | ٤٥ | ٤٥ |
| ابوداؤد شریف | ٤٣ | ٤٥ | ٤٥ |
| طحاوی شریف | ٤٢ | ٤٧ | ٤٢ |
| نسائی شریف | ٤٨ | ٤٩ | ٤٥ |
| ابن ماجہ | --- | ٤٧ | ٤٧ |
| موطا امام مالک | ٤٢ | ٤٩ | ٤٤ |
| موطا امام محمد | ٤٢ | ٤١ | ٤٧ |
| شمائل ترمذی | --- | --- | ٤٤ |

# اساتذۂ کرام

ویسے تو آپ نے بہت سے ماہرینِ فن اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا؛ مگر جن اساتذہ کے علوم سے خوب استفادہ کیا اور ان کے اخلاق وعادات اور

صلاحیت و کمالات کو اپنے اندر جذب کرنے کی تا بہ مقدور کوشش کی ان ہی اصحابِ فضل و کمال حضرات میں سے چند کے اسمائے گرامی ذیل میں لکھے جا رہے ہیں:

مفتاح العلوم تراج: حضرت مولانا علی محمد کارا صاحب تراجویؒ

جامعہ ڈابھیل: حضرت مولانا ایوب صاحب اعظمیؒ (شیخ الحدیث)، حضرت مولانا ابوالفضل محمد آدم صاحب طالع پوریؒ، حضرت مولانا اسماعیل محمد گورا صاحب راندیریؒ، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب پالن پوریؒ، مفتی احمد بیمات صاحبؒ، مولانا عبدالغفور صاحب نقشبندیؒ، مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی دامت برکاتہم، حضرت مولانا ابراہیم صاحب پٹنی دامت برکاتہم، حضرت مولانا آدم صاحب مانک پوریؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اعظمیؒ۔

دارالعلوم دیوبند: حضرت اقدس مولانا نعیم صاحب دیوبندی، حضرت مولانا عبدالاحد صاحب، حضرت مولانا اسلام الحق صاحب، حضرت اقدس مولانا سالم صاحب قاسمی دامت برکاتہم۔

## زمانۂ طالبِ علمی کی جھلکیاں

آپ دورانِ تعلیم حسنِ کردار میں ہم درس رفقا سے ہمیشہ ممتاز رہے، کتابوں کا مطالعہ، تکرار و مذاکرے کا اہتمام، درس کی پابندی، اساتذہ کا ادب و احترام، فضول گپ شپ اور بیہودہ گوئی سے احتراز وغیرہ امور کی وجہ سے آپ ہمیشہ طلبا میں باوقار و ممتاز رہے، تنازعات کے کانٹوں سے ہمیشہ اپنے آپ کو بچائے رکھا،

اساتذہ کی خوب خدمت کر کے ان کی دعائیں لیں، اردو انجمن کی زمامِ قیادت بھی آپ کے ہاتھ میں رہی (جیسا کہ پہلے گذر چکا)، پورے زمانۂ طالبِ علمی میں انتظامیہ یا کسی استاذ کو کسی بھی قسم کی شکایت کا موقع نہیں دیا، دیر رات تک مطالعہ میں مصروف رہتے، فضول لغویات میں اوقات ضائع کرنے کے بجائے تلاوتِ قرآن اور ذکر اللہ میں مشغول رہتے، آدابِ سحر خیزی کے عاشقِ زار اور جنون کی حد تک سنتوں سے پیار کرنے والے تھے، غرض یہ کہ آپ کی حیاتِ مستعار کا ہر ہر لمحہ ایک سچے عاشقِ رسول اور حقیقی طالبِ علم کی زندگی کا کامل نمونہ تھا۔

## تدریسی زندگی کا آغاز

ڈابھیل سے تین ساڑھے تین کیلومیٹر کے فاصلے پر شاہراہِ عام سے متصل ''ویسما'' نامی گاؤں آباد ہے، اس کی ایک بستی ہے جس کو ''حاجی پورہ'' کے نام سے جانا جاتا ہے، وہاں آپؒ نے دو سال تک مکتب میں ننھے منے بچوں کو پڑھایا اور ان کی تعلیم و تربیت کی فکر کی، بعد ازاں وطنِ مالوف ''اٹالوا'' کے ایک مکتب میں ایک سال تک خدمت انجام دی۔ اسی دوران آپ کو بھروچ کے مشہور و معروف مدرسہ ''دارالعلوم کنتھاریہ'' میں مدعو کیا گیا۔ چنانچہ آپ کنتھاریہ تشریف لے گئے؛ لیکن وہاں کی آب و ہوا راس نہ آئی اور بیمار ہو گئے، مجبوراً وطن واپس آنا پڑا، جب طبیعت بہتر ہوئی تو دوبارہ آپ تشریف لے گئے اور اسباب کی دنیا میں کنتھاریہ کی آب و ہوا کا راس نہ آنا مفید ثابت ہوا، چنانچہ جامعہ ڈابھیل کے ماہر و تجربہ کار اور

نکتہ شناس مہتمم حضرت مولانا محمد سعید صاحب بزرگؒ کی عقابی نگاہ آپ پر پڑی اور جامعہ میں تدریس کا دروازہ کھل گیا۔

## بحیثیتِ مدرس جامعہ ڈابھیل میں تشریف آوری

مادرعلی کی پکاریوں بھی اپنے اندر خاصی کشش رکھتی ہے اور پھر جب مادرِ علمی جامعہ ڈابھیل جیسا مشہور و معروف ادارہ ہو تو کون اس زریں موقع کو گنوا سکتا ہے، چنانچہ آپ اس پکار پر لبیک کہتے ہوئے بحیثیت مدرس جامعہ ڈابھیل میں تشریف لائے، ابتدا میں آپ کو درجۂ اردو دینیات اور فارسی اول کی کتابیں دی گئیں اور پھر فارسی دوم کا درجہ آپ کے سپرد ہوا، اہلِ مدرسہ کی طرف سے بارہا آپ کو درجۂ علیا کی کتابیں دی گئیں؛ لیکن آپ نے ابتدائی اور بنیادی درجات کی تدریس ہی کو بہتر سمجھا اور باوجود بار بار کی پیش کش کے اسی پر قانع رہے۔ ترقی کے مواقع ملنے کے باوجود اپنے آپ کو ابتدائی درجات سے وابستہ رکھنا طبعی شرافت، گہرے اخلاص اور کامل تواضع کی منہ بولتی تصویر تھی، اس سلسہ میں اگر آپ پیش قدمی فرماتے تو یقیناً حدیث شریف کے باکمال اساتذہ میں آپ کا شمار ہوتا۔

## تزکیۂ باطن

علومِ ظاہری سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ نفس کی اصلاح کے لیے اپنی باگ ڈور کسی شیخِ باصفا کے ہاتھ میں دینا علمائے دیوبند کا امتیاز رہا ہے۔ پختہ

ذرائع سے یہ تو معلوم نہ ہوسکا کہ ارادت و بیعت کا تعلق کس سے تھا، تاہم حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح الامت حضرت اقدس مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادیؒ یا قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے ارادت و بیعت کا تعلق ہوگا، عربی ششم کے زمانہ سے حضرت مسیح الامت صاحبؒ کے ساتھ آپ کا تعلق تھا اور خطوط کے ذریعہ حضرتِ والا سے استفادہ فرماتے رہتے تھے، اس سلسلہ میں خطوط کا ایک اہم ذخیرہ بھی مدتوں آپ کے پاس محفوظ رہا، آخری عمر میں ڈابھیل سے اٹالوا منتقلی کے دوران خطوط کا عظیم ذخیرہ خدا جانے کیسے ضائع ہوگیا کہ پھر لاکھ تلاش و جستجو کے بعد ہاتھ نہ آیا، اگر یہ خطوط ہاتھ لگ جاتے تو ان سے استفادے کے ساتھ ساتھ طرفین کے تعلقات سے بھی پردہ اُٹھ جاتا، ”لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا“.

قیامِ دارالعلوم کے زمانہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کی خدمت میں وقتاً فوقتاً سہارنپور تشریف لے جایا کرتے تھے۔ شادی کے بعد بھی کئی رمضان سہارنپور میں گزارے اور درمیان سال میں بھی دس دس روز کے لیے حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل ہوتی رہی۔

## شادی خانہ آبادی

سورت کے قریب ایک چھوٹا سا گاؤں ہے ”وسراوی“، وہاں کے ایک

شریف دین دار گھرانے میں جناب محمد بھائی نورگت کی دخترِ نیک اختر سے عقد طے پایا، چنانچہ دیو بند سے تشریف لانے کے ایک سال بعد ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۰ء میں آپ کا عقدِ مسنون ہوا۔ آپ کی اہلیہ محترمہ بھی بہت نیک اور دین دار خاتون ہیں۔ انہوں نے زندگی بھر آپ کی بہت خدمت کی، آپ کے آرام کا ہر وقت خیال رکھتی تھیں، یہاں تک کہ علالت کے اخیری زمانہ میں آپ کی ایسی خدمت کی ہے کہ آج کے زمانہ میں ایسی خدمت گزار بیوی کا ملنا کسی نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں، صابر وقانع ایسی کہ جاں گداز مشکل ایام میں بھی کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہ آیا۔ آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ سے بیعت ہیں اور بہت زیادہ عبادت گزار اور وظائف ومعمولات کی پابند ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت نصیب فرمائیں اور ہر شر سے ان کی حفاظت فرما کر ہر خیر عنایت فرمائیں۔ آمین

## اولاد

آپ کی کوئی جسمانی اولاد تو نہ تھی؛ لیکن روحانی اولاد بے شمار ہیں، آپ کے خوشہ چیں اور فیض یافتہ شاگردان آج پوری دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں اور خدمتِ دین کے میدان میں حیرت انگیز کارنامے انجام دے رہے ہیں۔ یقیناً یہ استاذِ مرحوم کے لیے صدقۂ جاریہ اور ذخیرۂ آخرت ہے۔ خود جامعہ ڈابھیل کے نوجوان اساتذہ میں سے اکثر آپ ہی کے صحبت یافتہ ہیں۔

# اوصاف وکمالات

## حلیہ

میانہ قد، گھلا ہوا بدن، رنگ کھلا ہوا، فراخ جبیں، سفید ریش، آنکھوں پر سایہ فگن لمبی لمبی پلکیں، خم دار بھنویں، لبوں پہ تبسم، چہرہ پر معصومیت نمایاں، آنکھوں سے بلا کی ذہانت آشکارا، ہر ہر ادا سے سادگی ٹپکتی ہوئی، سفید کرتا، قدرے چوڑا پائیجامہ، کشتی نما دو پلی ٹوپی، اس سراپا کو تصور میں لایئے جو تصویر بنے وہ مرحوم استاذِ محترم کی ذات گرامی تھی۔

## حافظہ

قدرت نے آپ کو بلا کی ذہانت اور قابلِ رشک حافظہ عنایت فرمایا تھا، فارسی کے سینکڑوں اشعار نوکِ زبان رہتے، مفتاح القواعد (فارسی دوم میں پڑھائی جانے والی ایک کتاب) کے اواخر میں حروف کا بیان ہے، اس میں اکثر مثالیں بوستاں سے پیش کی گئی ہیں، سبق کے دوان جب اِن مثالوں میں بوستاں کے اشعار آتے تو حضرت بلاتکلّف فرماتے کہ: ''بوستاں کا فلاں صفحہ کھولیے اور وہاں دائیں صفحہ پر یہ شعر ملے گا، اس کو پڑھیں'' پھر طالبِ عالم وہ شعر نکال کر پڑھتا، کبھی تو ایسا ہوتا کہ طالبِ علم کو ڈھونڈنے میں دیر لگ جاتی تو حضرت اس کی رہنمائی کرتے ہوئے فرماتے: ''اجی!...... دائیں طرف ہے...... نیچے دیکھیں......'' پھر

وہ شعر طالبِ علم پڑھتا۔آپ بسا اوقات اس سے آگے پیچھے کے اشعار بھی بے تکلف پڑھ جاتے۔

گلستاں، بوستاں اور دیگر درسی کتابیں آپ کو ازبر تھیں اور ان کا سبق کتاب میں دیکھے بغیر سنتے تھے، جب طالبِ علم سے اگلے سبق کی عبارت پڑھواتے تب بھی زبانی سنتے، اگر وہ غلطی کرتا تو فرماتے کہ: ''اجی! دیکھ کر پڑھیں! ......کیا پڑھتے ہیں؟...... کتاب میں آپ دیکھ رہے ہیں یا میں دیکھ رہا ہوں۔'' غور کرنے پر طالبِ علم شرمندہ ہو جاتا کہ واقعی استاذ جی صحیح فرما رہے ہیں۔

## کیفیتِ تدریس

درس عجیب خصوصیات کا حامل ہوتا، نہ جذباتیت نہ لفاظی، تصنع سے پاک، دلوں میں اتر جانے اور کانوں میں رس گھولنے والی آواز، مشکل مسائل سمجھانے کا خاص ملکہ، انداز اچھوتا اور منفرد تھا، جس میں سمندر کی وسعت، دریا کی روانی اور آبشار کا ترنم سمویا ہوا تھا، درس کا آغاز ہوتا تو علم ومعرفت کے مے خانہ سے طلبہ کو مدہوش کر دیتے، اور ایسا لگتا کہ منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں اور سچ یہ ہے کہ لالہ وگل ہی نہیں؛ لعل وجواہر نکلتے محسوس ہوتے، گلستاں بوستاں پڑھاتے وقت ایسے اشارے بھی کرتے جاتے کہ طلبہ کے چہرے کھل کھلا اٹھتے اور بالکل ایسا محسوس ہوتا کہ یہ کوئی حکایت نہیں سنائی جا رہی؛ بلکہ یہ ساری چیزیں ہمارے سامنے ہی ہو رہی ہیں۔ عجب نرالا انداز تھا، کبھی ہنساتے کبھی رلاتے، گاہے تبسم رقص کناں ہوتا

اور گاہے چشم گریہ کناں ہوتی، رقت طاری ہوتی تو خود بھی روتے اور طلبہ کو بھی رلاتے، اس سلسلہ کا ایک واقعہ آپ ہی کے فیض یافتہ استاذِ ادبِ عربی حضرت مفتی عرفان صاحب مالیگانوی مدظلہٗ سے تعزیتی جلسہ میں سنا، فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ بوستاں کے سبق میں حضرت عیسی علیہ السلام کا ایک واقعہ آیا ہے، ایک لمبی حکایت ہے، مختصراً یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے چند حواریوں کے ساتھ کہیں جارہے تھے، دور سے ایک شرابی کبابی انسان نے ان سب حضرات کو دیکھا اور سوچنے لگا کہ کتنے نورانی چہرے والے اور خوش نصیب ہیں! اس کو بہت ہی ندامت ہوئی اور توبہ کا احساس دل میں پیدا ہوا۔ وہیں عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے ایک کی نظر اس شرابی پر پڑی تو دل میں اس کے متعلق کچھ نفرت آمیز خیالات آ گئے۔ خیر! عیسیٰ علیہ السلام کو بذریعۂ وحی بتلایا گیا کہ اس شرابی کی مغفرت کر دی گئی ہے اور اس نیک آدمی کے سارے اعمال سوخت کر دیے گئے، خلاصہ: جو کل تک برا تھا وہ اچھا ہو گیا اور جو کل تک اچھا تھا وہ برا ہو گیا۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: بوستاں، باب: ۴ ص: ۱۱۹)

یہ حکایت پڑھاتے وقت استاذ محترم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور ہمارے کچھ ساتھیوں کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔

آپ کتابیں پڑھاتے نہیں تھے؛ بلکہ گھول کر پلا دیتے تھے، آپ کا درس لفاظی سے بالکل پاک صاف رہتا، عبارت کی پیچیدگیاں آپ کی پیشانی پر بل نہیں لا سکتی تھیں، اور جب مسندِ درس پر زبانِ فارسی کھلتی تو ایسا لگتا کہ ادبِ فارسی کی گنگا جمنا بہہ رہی ہے، سبق کچھ اس انداز میں پڑھاتے کہ غبی سے غبی طالب علم کو بھی

ذہن نشیں ہو جاتا، زبان کی باریکیاں اور فن کی پیچیدہ گتھیاں چٹکی میں سلجھا دیتے، طلبہ آپ کے درس کو اتنا پسند کرتے کہ ایک دن کے سبق کے بعد آئندہ کے سبق کا بڑی بے چینی کے ساتھ انتظار ہوتا، اسی خصوصی مہارت کا نتیجہ تھا کہ طلبہ میں آپ ''شیخ سعدی'' سے معروف تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ فارسی ادب میں مستغرق، دھیمے لہجے کا مالک، شستہ زبان اور مخصوص چال ڈھال کے حامل اس شخص کو دیکھ کر عہدِ رفتہ کا ''سعدی'' ہی یاد آجاتا تھا، خدا جانے کیا بات تھی جب بھی جہانِ تصور میں شیخ سعدی کا سراپا سوچتا تو پردۂ تخیل پر اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ استاذِ مکرم کی مسکراتی ہوئی تصویر آجاتی۔

## اندازِ افہام و تفہیم

آپ کتابیں بہت اچھی طرح سمجھاتے تھے، طلبہ کو بہت جلدی سمجھ میں بھی آجاتیں اور دیر تک یاد بھی رہتیں، یہ بات تو مسلم ہے کہ حضرت والا کو گلستاں و بوستاں پڑھانے میں مہارتِ تامہ حاصل تھی؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ فقہ میں بھی بڑے ماہر استاذ تھے، ''مالابدَّ منہ'' پڑھانے کا انداز بہت ہی نرالا ہوتا، ہر مسئلہ کی نہایت دلکش تقریر فرماتے، نیز بلا مبالغہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ استاذِ محترم کے پاس پڑھے ہوئے کچھ مسائل بفضلہٖ تعالیٰ آج تک ازبر یاد ہیں۔

## سادگی اور طلبہ سے محبت

آپ بالکل سادہ زندگی بسر کرنے کے عادی تھے، خوراک و پوشاک، رہن سہن،

چال ڈھال ہر چیز سے سادگی ٹپکتی تھی، کہا جا سکتا ہے کہ یہی سادگی آپ کا حسن تھا، سادگی اس قدر غالب تھی کہ اگر پہلی مرتبہ کوئی اجنبی مولانا کو دیکھ لے تو پہچان بھی نہیں سکتا کہ آپ اتنے بڑے مدرس ہیں، تصنع وتکلف ڈھونڈنے سے بھی کہیں نظر نہیں آتا تھا، طلبہ کے ساتھ بڑا اشفقت آمیز سلوک فرماتے، آپ کا فیض یافتہ کوئی شاگرد گھر پہنچ جاتا تو اس قدر شفقت فرماتے کہ باہر سے آئے ہوئے مہمان کے اکرام اور خاطر مدارات کا دھوکا ہونے لگتا، یہ سلوک صرف اپنے شاگردوں تک محدود نہ تھا؛ بلکہ ہر طالبِ علم کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی، چپکے چپکے اپنے پاکیزہ مال کو طلبہ پر خوب خرچ فرماتے، بے حد منکسر المزاج، ملنسار اور حد درجہ مشفق تھے، تواضع اور شفقت کا یہ عالم کہ خردوں کے لیے ان سے گفتگو کرنا نہایت آسان، نہ تکلف نہ تصنع، نہ مصنوعی غصہ نہ بناوٹی ناراضگی، غصہ میں ہوں پھر بھی زندگی بھر کسی طالب علم کو ''تو'' اور ''تم'' کہہ کر نہیں پکارا، ہمیشہ ''آپ'' کے ذریعہ خطاب فرماتے اور ہر وقت عزت واحترام سے پیش آتے۔ آپ ہی کے ایک شاگرد حضرت مفتی معاذ صاحب مدظلہ اپنے تأثرات میں رقم طراز ہیں:

''طلبہ کی عزتِ نفس کا اس قدر خیال رہتا تھا کہ شدید ترین ناراضگی کی حالت میں بھی کبھی آپ کے منہ سے ''تو'' نہیں نکلا، چھوٹے سے چھوٹے طالبِ علم کو بھی ''آپ'' کے ذریعے مخاطب فرماتے تھے''۔

بے تکلفی وسادگی آپ کا جزوِ لاینفک تھی، آپ ایسے شفیق ورحیم اور دریا دل تھے کہ گستاخ سے گستاخ طالبِ علم بھی اپنی شرارت وگستاخی کے جواب میں محبت و

شفقت پاتا تھا، وسیع الظرفی ایسی کہ گستاخ طالبِ علم کی گستاخی پر تنبیہ کرنے کے بعد اس کو اِس طرح بھول جاتے کہ پورا سال گذر جاتا؛ لیکن اس کا ذکر مولانا کی زبان پر نہ آتا۔ اس سلسلے کا ایک عجیب وغریب قصہ حضرت مفتی معاذ صاحب مدظلّہ کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں:

’’طالبِ علمی کے زمانہ میں ہم سے چار پانچ سال پہلے کی ایک جماعت کا قصہ بارہا گوش گزار ہوا، جماعت بھی کچھ عجیب وغریب، متضاد صفات کی حامل، جتنے شریف اور پڑھنے والے، اتنے ہی شرارتی اور پڑے رہنے والے، جس قدر خاموش مزاج اسی قدر شوخ وچنچل، ایک ہی درس گاہ میں پابند صوفی بھی اور آزاد کوفی بھی، قصہ مختصر ایں کہ یہ جماعت درجۂ فارسی دوم میں استاذی المرحوم حضرت مولانا ابراہیم صاحب ایٹالویؒ کے پاس پہنچی، ویسے بھی طلبہ میں عموماً شرارت کا عنصر لازمی طور پر پایا جاتا ہے اور پھر یہ جماعت تو اس ’’فنِ شریف‘‘ میں تمغہ یافتہ تھی۔

سبھی لوگ جانتے ہیں کہ طلبہ کا اپنا نیٹ ورک ہوتا ہے اوران کے اپنے باوثوق ذرائع، ایک روز کہیں سے اڑتے اڑتے خبر آئی کہ استاذ آج تشریف نہیں لائیں گے، بس پھر کیا تھا ’’اندھا کیا چاہے دو آنکھیں‘‘ طے ہوا کہ درس گاہ کا دروازہ اور دریچے بند کرکے ٹپائیاں پرے رکھ کر ’’آنکھ مچولی‘‘ کھیلی جائے (ایک قسم کا معروف کھیل جس میں ایک ساتھی کی آنکھ پر پٹی باندھ کر شرکا میں سے کسی ایک کو پکڑنے پر مامور کیا جاتا ہے، جو گرفت میں آ گیا یا جس کو ہاتھ لگ گیا وہ آؤٹ اور

اب اس کی باری، وہ آنکھ پر پٹی باندھ کر کسی کو پکڑے) کھیل شروع، کبھی ہنگامہ کبھی پراسرار سکوت، سکوت اس لیے تاکہ آہٹ یا کسی قسم کی آواز سے پٹی باندھا ہوا ساتھی متوجہ ہو کر پکڑ نہ لے، کھیل جاری تھا کہ اچانک درس گاہ میں استاذ صاحب کا ورود ہوا، اُدھر سب خاموش، رنگے ہاتھوں گرفتار، لرزہ براندام، مارے شرم کے پسینہ میں غرقاب، اور اِدھر پٹی باندھا ہوا لحیم و شحیم بلند قامت ساتھی اس خاموشی کو ''آنکھ مچولی کی روایتی خاموشی'' سمجھ کر آہٹ کا منتظر، اُدھر استاذ کے قدموں کی چاپ قریب، اور ایک دم اس تندومند طالب علم نے دبلے پتلے نحیف ونزار، شرافت وسادگی کے پیکرِ مجسم استاذ کو ہاتھوں میں دبوچ کے اُٹھالیا اور مارے خوشی کے'' پکڑلیا، پکڑلیا'' کے نعرے لگانے لگا، جواب میں پوری درس گاہ خاموش، استاذ کی دھیمی دھیمی آواز ''اجی چھوڑیے، چھوڑیے جی''، استاذ کی آواز سنتے ہی طالبِ علم کا سر چکرایا، ہاتھ چھوڑ کے پٹی آنکھوں سے ہٹائی تو خشم گیں نگاہیں لیے استاذ سامنے ہی موجود، نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ اُدھر استاذ نے چوب دستی اٹھائی اور اِدھر نیا کھیل شروع، بالآخر جلد ''ضرب یضرب'' کی گردان پوری ہوئی، افہام وتفہیم کا دور آیا، سب کے سر جھکے ہوئے، ندامت سے چہرے سرخ، دو چار کی آنکھیں نم دیدہ، خدا خدا کر کے دن پورا ہوا............... اور............... اور ............... جناب کیا بتائیں............... بس............... رات گئی بات گئی، وہ دن اور سالانہ کا آخری دن، کبھی استاذ مرحوم کی زبان پر اس کا ذکر نہیں آیا، نہ طعنوں کے تیز خنجر نہ تشنیع کے چبھتے تیر؛ بلکہ شفقت ومحبت کا مرہم۔ استاذِ مرحوم کی

جگہ مجھ جیسا زود رنج کوئی نوجوان استاذ ہوتا تو ہنگامۂ حشر بپا ہوتا۔

| | | |
|---|---|---|
| جی چاہتا ہے کہ چوم لیں ان کے نقشِ قدم | ☆ | کیا لوگ تھے جو راہِ وفا سے گذر گئے |

جس کا ظرف اتنا وسیع ہو اس کے چشمۂ حیواں سے بیک وقت صوفی و کوفی سیراب نہ ہو تو کیا ہو!!

رأفت وشفقت اور محبت ومودّت کے اس بہتے دریا میں سرکش سے سرکش اور شرارتی سے شرارتی طالبِ علم بہہ نہ جائے تو کیا کرے۔

لطف ومہربانی کی اس آتشِ سوزاں اور رحم وکرم کی شمعِ فروزاں میں سنگ دل سے سنگ دل پگھل کر موم نہ ہو جائے تو کیا کرے!!!

ہائے!! ایسے مشفق ومربی استاذ کی رحلت قیامت نہ ڈھائے تو کیا ڈھائے! اے رب لم یزل ولایزال! مرحوم استاذ کے اوصافِ حمیدہ کے کچھ چھینٹے اس بندۂ ناچیز پر بھی۔ آمین بجاہِ سید المرسلین۔ معاذ عفی عنہ

## سخاوت ومہمان نوازی

مالی اعتبار سے بھی خدا تعالیٰ نے آپ کو وسعت دی تھی؛ لیکن آپ نے کبھی بھی جمع کر کے نہیں رکھا؛ بلکہ اپنے شاگردوں پر اور دیگر طلبۂ جامعہ پر وقتاً فوقتاً خرچ کرتے رہتے تھے، مستحق طلبہ کو خاموشی کے ساتھ دولت کدہ پر بلا کر ان کی امداد کرنا آپ کی عادتِ ثانیہ بن گئی تھی، مہمان نواز ایسے کہ جو بھی آپ کے گھر جاتا وہ دسترخوان سے فیض یاب ہوئے بغیر نہیں آسکتا تھا، اتنا اصرار فرماتے کہ اسے

کھانے کے لیے رکنا ہی پڑتا، آپ مہمان نوازی میں سنتِ ابراہیمی پر گامزن تھے، اپنے پاس پڑھنے والے طلبہ کی ہر سال دعوت فرماتے، یہاں تک کہ جو طلبہ آپ سے فیض یاب ہوکر درجاتِ علیا میں پہنچ گئے ان کی بھی گاہے گاہے ضیافت فرماتے تھے۔

## عدمِ حبِّ جاہ

راقم الحروف کو استاذِ محترم کی صحبت میں ایک مدت تک رہنے اور آپ کے ڈابھیل سے رخصت ہو جانے کے بعد وفات تک آمدورفت باقی رکھنے سے جو علم و مشاہدہ ہوا ہے اس کے پیشِ نظر بلاتردد یہ عرض ہے کہ آپ کے دل میں حب جاہ یعنی عہدہ یا منصب کی طلب قطعاً نہیں تھی، آپ کی چالیس سالہ تدریسی زندگی میں کہیں بھی آپ کی زبان سے، عمل سے یا قلم سے کسی عہدہ یا منصب کی خواہش کا ظہور نہیں ہوا ہے، حالاں کہ حبِّ جاہ کا رذیلہ ایسا خطرناک ہے جو سالکین کے دلوں سے سب سے اخیر میں نکلتا ہے، اس بیماری سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچائے رکھا تھا، یہی وجہ ہے کہ نہ کسی سے نزاع نہ کوئی فرمائش، نہ گلہ نہ شکایت، آدمی جب کسی سے امید ہی نہ رکھے تو پھر شکوہ ہی کس بات کا۔ دنیا میں سارے تنازعات کے پسِ پردہ یہی خواہشات اور امیدیں کام کرتی ہیں۔ جامعہ ڈابھیل کی چالیس سالہ زندگی میں ایک مرتبہ بھی تعلیم کے بارے میں یا مدرسے میں اپنے قیام وطعام کے سلسلے میں آپ کا کسی سے نزاع ہوا ہو کبھی نہیں سنا گیا۔

## صفِ اولیٰ کی پابندی

دیگر خصلتوں کے ساتھ ساتھ آپ کی ایک عمدہ خصلت یہ بھی تھی کہ آپ ہمیشہ اِس بات کی کوشش کرتے تھے کہ آپ کی پنج وقتہ نمازیں صفِ اولیٰ میں ہوں۔ اسی کے متعلق لسانِ جامعہ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب بارڈولی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ: ''میں نے حضرت مولانا ابراہیم صاحب میں ایک خاص بات یہ دیکھی کہ آپ صفِ اولیٰ کے بڑے پابند تھے، جب کہ اساتذہ کے ساتھ بہت سی ذمہ داریاں لگی رہتی ہیں، اُن ذمہ داریوں کی انجام دہی کے بعد جلد از جلد مسجد میں پہنچنا بہت ہی مشکل ہوتا ہے؛ لیکن حضرت نے اس مشکل کو پسِ پشت ڈال کر ناممکن کو ممکن کر دکھایا''۔

## معاملہ فہمی

حضرت الاستاذ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی سمجھ اور فہم وفراست عطا کر رکھی تھی کہ آپ بہت جلد پیچیدہ سے پیچیدہ معاملہ کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے، اسی سلسلہ کا ایک واقعہ جامعہ ڈابھیل کے صدر مفتی حضرت مولانا مفتی عباس بسم اللہ صاحب ڈابھیلی -ادام اللّٰہ فیوضھم علینا- نے سنایا کہ:

''ایک مرتبہ دار القضا میں میاں بیوی سے متعلق ایک مقدمہ آیا، وقتِ مقررہ پر فریقین آئے، مقدمہ چلتا رہا، بیوی کو خوب سمجھایا گیا؛ لیکن ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہوئی، بہت دیر تک اس کو سمجھاتے رہے؛ لیکن وہ ٹس سے مس نہیں

ہوئی، اتفاق سے وہ اٹالوا کے رہنے والے لوگ تھے، چنانچہ مولانا ابراہیم صاحب اٹالوی کو بلایا گیا اور ان کے سامنے ساری تفصیل بیان کی، مولانا نے فوراً ایک گجراتی مثل کہی: માથુ ગોજો ને અસ્તરો બુઠઠો۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سر بھی گندا اور استرا بھی کُند ؛ کتنی بھی کوشش کرلو کام نہیں ہوگا۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ مولانا گاؤں کے مقبول ترین ذمہ داروں میں سے تھے، کیونکہ قضا والے ایسے ہی لوگوں کو صلح کے لیے بلاتے ہیں جن کی گاؤں میں وقعت وعزت ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مولانا اگرچہ ڈابھیل میں رہتے تھے؛ لیکن گاؤں کے حالات اور اس کے نشیب وفراز سے بہ خوبی واقف تھے۔

## خوش روئی

مبدأِ فیاض سے آپ کو خوش مزاجی کا وافر حصہ بھی ملا ہوا تھا، چنانچہ ملاقات کے لیے آنے والے خواہ عوام ہوں یا طلبہ، خصوصاً قدیم تلامذہ میں سے، خواہ وہ پہلی مرتبہ آئے ہوں یا آتے رہتے ہوں یا طویل وقفہ کے بعد آئے ہوں ہمیشہ خوش روئی سے ملتے اور ایسی خندہ پیشانی اور خوش مزاجی سے بات چیت کرتے کہ شاگرد کو بھی حجاب محسوس نہ ہوتا؛ بلکہ آپ کے اس حسنِ سلوک سے ملاقات کرنے والے کا دل سرور وانبساط سے لبریز ہوجاتا تھا، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی عامی شخص یا ادنیٰ شاگرد کے آنے سے آپ کے چہرے پر بل آگیا ہو یا ترش روئی سے ملاقات کی ہو۔

# دیگر خصائلِ حمیدہ اور اوصافِ جمیلہ

آپؒ پاک باطن، روشن ضمیر، خوش پوشاک، خوش مزاج، نفاست پسند، نظیف الطبع اور ذکی و ذہین تھے، آپ کی زندگی میں نہ کبھی بخل آیا نہ اسراف۔ عبادت میں بہت آگے تھے، معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ نمازِ تہجد کو تو آپ نے اپنے اوپر لازم کر رکھا تھا، صبح سویرے اٹھ کر پابندی سے قرآن کی تلاوت فرماتے، فضول کاموں سے اپنے آپ کو بچانا آپ کی ایک بہت اچھی عادت تھی، کھانے پینے میں بہت محتاط، وقت کی حد سے زیادہ قدر کرنے والے، دوسروں کے جذبات کی رعایت فرماتے، ہر ایک سے اس کے مزاج کے مطابق معاملہ فرماتے، لڑنا جھگڑنا سے ہمیشہ نفرت فرماتے، یہاں تک کہ آپ کو اپنے حق کے لیے بھی جھگڑا پسند نہ تھا، صبر و شکر کا تو ایسا عجیب وغریب مقام حاصل تھا کہ کتنی ہی تکلیف ہو کسی پر ظاہر نہ فرماتے؛ یہاں تک کہ وفات سے پہلے کے طویل مرض میں شدید تکلیف کے باوجود کبھی اپنی اہلیہ محترمہ سے بھی اس کی شکایت نہیں فرمائی، ہمیشہ اللہ کا شکر ادا کرتے رہتے، معمولی سے معمولی بات پر خدا کا شکر ادا کرنا آپ کی زندگی کا جزو بن گیا تھا، آپ کا دل و دماغ ہمیشہ اللہ کی یاد میں مست و مگن رہتا، گفتگو میں شبنم کی ٹھنڈک اور قند و نبات کی مٹھاس تھی، طلبہ کے لیے حریر و دیباج کی طرح نرم و بردبار تھے، جوہر شناس اور صلاحیتوں کے قدر دان تھے، مدرسے کے اوقات کے بڑے پابند، سبق کی غیر حاضری کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، متانت، سلاست، نفاست، عبادت؛ یہ

ساری چیزیں آپ کے حصہ میں وافر مقدار میں آئی تھیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| سرودے رفتہ باز آید کہ نہ آید | | نسیمے از حجاز آید کہ نہ آید | |
| سر آمد روزگارے ایں فقیرے | | دگر دانائے راز آید کہ نہ آید | |

## وفات

آپ کی زندگی کا اکثر حصہ صحت و تندرستی کی حالت میں گذرا؛ البتہ نحیف و نزار تھے اور فطرتاً کمزور، ایک وقت وہ آیا کہ یہی کمزوری بڑھ کر بیماری میں تبدیل ہو گئی، جس کی وجہ سے آپ کے لیے درس گاہ میں آنا بھی دشوار ہو گیا۔ ہم اللہ تعالیٰ کا جتنا شکریہ ادا کریں کم ہے کہ ربِّ ذوالجلال نے ہمیں مولانا سے استفادہ کا موقع عطا فرمایا اور آپ کے تلامذہ کی فہرست میں ہم جیسے نا اہلوں کا نام بھی شامل کروا دیا، ہماری جماعت سب سے آخری جماعت ہے جس نے مولانا کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اس کے بعد مولانا نے بیماری کے عذر کی وجہ سے جامعہ سے وطن کوچ کرنے کا ارادہ کیا۔ اساتذہ کے حد درجہ قدردان حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب سملکی -ادام اللہ فیوضھم علینا- (مہتمم جامعہ ڈابھیل) کے بے انتہا اصرار کے باوجود فیصلہ تبدیل نہیں فرمایا۔ اولاً اپنے رفقا کے مشورے سے چھ ماہ کی رخصت کی درخواست دی، اِس امید پر کہ اگر صحت یاب ہو گئے تو واپس آجائیں گے، جو شوریٰ میں منظور کر لی گئی؛ لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا، چھ ماہ تک سنبھل نہ سکے اور جامعہ سے علاحدگی اختیار فرمائی۔

تقریباً پانچ سال نہایت کمزوری کی حالت میں گزارے، اخیر وقت میں ڈاکٹروں نے بتایا کہ مولانا کے جسم میں نمک بہت کم ہو گیا ہے۔ یہی بیماری جان لیوا ثابت ہوئی اور ۸/محرم الحرام ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۲/اکتوبر ۲۰۱۵ء بروز پنج شنبہ صبح ۱۱/بجے اس دارِفانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔ إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
ایک شخص سارے شہر کو ویراں کر گیا

وفات سے چار دن پہلے کا حال بیان کرتے ہوئے آپؒ ہی کے خوشہ چیں حضرت مفتی معاذ صاحب مدظلہ لکھتے ہیں:

''چار دن پہلے کی تو بات ہے، اساتذۂ جامعہ کا ایک کارواں بہ شمول احقر کے حضرت الاستاذ مولانا ابراہیم صاحب اٹالویؒ کی عیادت کو گیا، گھر پہنچے تو دیکھا کہ استاذ بستر پر آرام فرما ہیں اور سانسیں تیز تیز پھولی جا رہی ہیں، آنکھیں کھول کر ہم لوگوں کی طرف دیکھا، دیکھتے ہی آنکھوں میں چمک سی عود کر آئی، ہم لوگوں نے ملاقات کا شرف حاصل کیا، بعض احباب کو پہچان کر ان کے نام لیے، پتہ چلا کہ آٹھ دن ''یشفین'' اسپتال رہ کر آئے ہیں، نقاہت اس قدر طاری تھی کہ بستر سے اٹھنا ناممکن تھا، بشری تقاضے بھی اہلیہ محترمہ کے سہارے بستر ہی پر پورے کئے جاتے تھے، اس قدر نقاہت کے باوجود بار بار کہتے رہے کہ: ''کھا کر تشریف لے جائیں''۔ ان کے اصرار کے باوجود احباب نے معذرت کر دی، ایک سعادت مند شاگرد نے

دست بستہ عرض کیا کہ: ''حضرت! آپ جب خوب صحت مند ہو جائیں گے تو ہم خود آپ کے دولت کدہ پر حاضر ہو کر دعوت کھائیں گے''۔ بولے کچھ نہیں، صرف عجیب انداز میں دیکھا اور دیکھ کر رہ گئے۔ چار دن بعد آج وہ پاکیزہ آنکھیں بولتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں کہ: ''تم کیا میری دعوت کھاؤ گے، مسیں خود ربِّ کریم کی ضیافت کو بے چین و بے قرار ہوں''۔

اُس وقت کون جانتا تھا کہ چار روز بعد ہی استاذِ محتــرم الوداع کہــہ جائیں گے!! کسے معلوم تھا کہ یہ آخری دیدار ہے!! سنا تھا کہ اسپتال میں بول بھی نہیں پاتے تھے، اب بولتے ہوئے دیکھ کر ہم خوش فہم سمجھے کہ طبیعت میں اِفاقہ ہو رہا ہے، آج راز کھلا کہ وہ ٹمٹماتے چراغ کی آخری بھڑک تھی جس کے بعد چراغ ہمیشہ کے لیے گہرے اندھیروں میں ڈوب جاتے ہیں، إِنَّا لِلهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. ''

وفات کی دل خراش خبر آناً فاناً پھیل گئی، اساتذہ وطلبہ، دوست واحباب، جوق در جوق مولانا کے وطن پہنچے، دیکھا تو مولانا اس دارالمحن کی سرحد پار کر چکے تھے، کھلے ہوئے چہرے پر سکون طاری تھا، جیسے ایک تھکا ہوا مسافر منزل پر پہنچ کر آسودہ ہو گیا ہو، دل پر جو گذری اسے بیان نہیں کیا جا سکتا بس ہم وہی کہتے ہیں جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایسی حالت میں فرمایا تھا: إِنَّ العَيْنَ تَدْمَعُ، وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ، وَلَا نَقُوْلُ إِلَّا مَا يَرْضىٰ رَبُّنَا، وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ - يَا إِبْرَاهِيْمُ! - لَمَحْزُوْنُوْنَ.

اب کہاں ملے گا ہم کو ایسا مدرس؟ جو ہم سے اتنی زیادہ محبت کرے، ہمارا اتنا خیال رکھے، ہم پر جان چھڑکے، اپنی سگی اولاد کی طرح ہماری تربیت کرے،

ایسا لگتا ہے کہ مولانا کی قبر یہ صدا دے رہی ہو کہ:

| |
|---|
| ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں، ملنے کے نہیں، نایاب ہیں ہم |
| تعبیر ہے جس کی حسرت وغم اے ہم نفسو! وہ خواب ہیں ہم |

اس میں دورائے نہیں ہوسکتیں کہ مولانا کی رحلت سے جامعہ ڈابھیل میں جو خلا پیدا ہوا ہے اب اس کا اُسی انداز میں پُر ہونا صرف مشکل نہیں؛ بلکہ ناممکن نظر آتا ہے، کم وبیش چالیس سال جس کے علمی کارناموں سے جامعہ کی فضا گونجتی رہی اس کی رحلت سے بزمِ علم سونی ہوگئی۔

| |
|---|
| صد حیف کہ زمزموں کا تسلسل نہیں رہا |
| سونا پڑا ہے باغ کہ بلبل نہیں رہا |

بہرحال! یہ پچھتر سالہ زندگی جو اپنی خصوصیات میں یگانہ اور امتیاز میں یکتا تھی اب گوشۂ لحد میں ہمیشہ کے لیے جا سوئی۔ خدا تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے، سیئات سے درگذر فرمائے، ان کے دامن میں جو حسنات تھے ان کو قبول فرما کر ان کے لیے وسیلۂ نجات بنائے اور جامعہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔

اَللّٰهُمَّ بَرِّدْ مَضْجَعَه وَنَوِّرْ مَرْقَدَه

| |
|---|
| آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے |
| سبزۂ نورُستہ اس گھر کی نگہبانی کرے |

# سعدیٔ جامعہ کی یاد میں

کاوش: زکریا زاؔحِب بھوپالی

فضا مرجھا گئی ساری اور آنکھوں میں نمی پہنچی
جب اُن کی اطلاع آئی تو دل کو بھی غمی پہنچی
بڑی مدت انھوں نے اِس مدرسے میں گزاری تھی
اُن ہی کی ذات ایسی تھی کہ جو سب سے ہی پیاری تھی
بہت نازک طبیعت اُن کی اور چہرہ حسیں اُن کا
یہاں پہ سارے لوگوں کے ذہن میں نام ہے جن کا
کہوں کیسے وہ جب چلتے تو کتنے پیارے لگتے تھے
ہمارے واسطے تو وہ بڑی راتوں کو جگتے تھے
وہ جب درجے میں آتے تھے، خوشی ہم کو بڑی ہوتی
سبق جب وہ پڑھاتے تھے، نکلتے منہ سے تھے موتی
وہ جو انداز اُن کا تھا کسی میں بھی نہیں پایا
جسے ''سعدی'' کہیں ہم ان کے بعد اب تک نہیں آیا
کتابیں یاد تھیں ایسی کہ بِن دیکھے ہی سنتے تھے
تھکن ہو خواہ کتنی ہی درسگہ ہی کو چنتے تھے
امامِ فارسی وہ تھے، فقہ کے بھی بڑے ماہر
بڑے ہی پاک باطن تھے، بڑا ہی خوب تھا ظاہر

عجب تھیں شفقتیں ان کی، بتاؤں میں تمہیں کیسے
دعا کرتا ہوں میں رب سے: بنائے ہم کو بھی ویسے
تھا ان کا ذوق بھی ایسا: کتابیں پاس رکھتے تھے
ہمیشہ ہی مطالعے میں تجربے بھی وہ چکھتے تھے
اگر کوئی ضرر پہنچے، شکایت وہ نہ کرتے تھے
کوئی غمگین آجاتا تو اس کے زخم بھرتے تھے
سخاوت ان کا پیشہ تھا، بہت ہی وہ دیا کرتے
خوشی سب کو عطا کرتے، غریبوں کی مدد کرتے
مگر بیماری سے ان کا بڑا ہی ساتھ رہتا تھا
انہیں تو مرض بھی اپنا پرانا ساتھی کہتا تھا
ہم ان کی تندرستی مانگتے تھے آخری شب میں
جو بھولے تھے، جو پیارے تھے، جو خوش اخلاق تھے سب میں
وہ ان کا مسکرانا مجھ کو بے حد یاد آتا ہے
انہیں ہی یاد کرکے دل میرا مجھ کو سناتا ہے
مرے یارو! مرے دل سے نہیں جاتی ہیں وہ یادیں
ہمیشہ یاد آتی ہیں مرے استاذ کی باتیں
معلم ان کے جیسا جامعہ میں بھیج دے یارب!
بجھادے پیاس جو علمی میرے مولیٰ! ہماری سب

اور ان کی قبر کو مولیٰ! بنادے باغِ جنت تو
کہ یارب! آئے جس میں مشک سے بہتر ہمیشہ بو
دعا کرتا ہے زاحبؔ: یا خدا! ان پر رحم کردے
مراتب کو بلندی دے، جو وہ چاہیں عطا کردے

| |
|---|
| کہاں تک تاب لائے ناتواں دل |
| کہ صدمے اب مسلسل ہو گئے ہیں |

| |
|---|
| انھیں صدیوں نہ بھولے گا زمانہ |
| یہاں جو حادثے کل ہو گئے ہیں |

| |
|---|
| جنھیں ہم دیکھ کر جیتے تھے ناصر |
| وہ لوگ آنکھوں سے اوجھل ہو گئے ہیں |